جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد

عالمِ ربّانی مُحدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

[redacted]

نگران

مولانا سیّد رشید میاں مُدظلہٗ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

نومبر
سنہ ۱۹۹۳ء

جمادی الاولیٰ
سنہ ۱۴۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ ـ نومبر ۱۹۹۳ء شمارہ : ۲

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرّس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک	
پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے . . . . سالانہ	۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ... ″	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش . . . . . . ″	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ . . . . ″	۱۶ ڈالر
برطانیہ . . . . ″	۱۴ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ...۵۴۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ ـ ۲۰۵۳۸۸

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کی بداعمالیوں کے بارے میں مختلف پیشین گوئیاں فرمائی ہیں۔ ہر دَور میں آپ کی کسی نہ کسی پیشین گوئی کا ظہور پورے زور شور سے ہوکر آپ کے معجزات میں اضافہ کر رہا ہے، اس دَور میں اُمت عالمی سطح پر جس فتنہ میں مُبتلا ہے وہ ہے بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کی اندھی تقلید

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منھم من اتی امہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذلک وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ و تفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم

ترجمہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت پر ضرور ایسا دَور آنے والا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا، ہو بہو، حتّٰی کہ ان میں اگر کسی نے اعلانیہ اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا، تو میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو یہ عمل کریں گے اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری

فی النار الا ملة واحدة قالوا من ھی یا رسول	اُمّت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی سب
اللّٰہ قال ما انا علیہ واصحابی وفی روایة ...	کے سب جہنّم میں جائیں گے سوائے ایک
انہ سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بھم	کے صحابہ کرام نے عرض کیا وہ (جنتی) جماعت
تلك الاھواء کما یتجاری الکلبُ بصاحبہ	کونسی ہوگی فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے
لا یبقی منہ عرق ولا مفصل الادخلہ (ص۳۰ ج۱ مشکوٰۃ)	راستے پر ہوگی۔

ایک روایت میں یوں ارشاد فرمایا: "عنقریب میری اُمّت میں ایسے لوگ آئیں گے کہ خواہشاتِ بد ان میں اس طور سرایت کر جائیں گی جیسے پاگل کُتّے کے کاٹے ہُوئے میں اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے کہ کوئی رگ اور جوڑ اس کے (زہریلے) اثرات سے محفوظ نہیں رہتا۔"

حدیث شریف کے مضمون سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ بنی اسرائیل اپنی سرکشی اور بدعمالیوں کے نتیجہ میں اس مقام پر پہنچ گئے تھے جس کو قرآنِ پاک نے "اولئك کالانعام بل ھم اضل" سے تعبیر کیا ہے یعنی یہ لوگ چوپایوں کی طرح بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں، اُن کی حرکتیں بھی عجیب وغریب تھیں کہ کوئی نصیحت اور وعظ اُن پر اثر نہ کرتا تھا۔ ایک موقع پر حضرت موسٰی علی نبینا وعلیہ السّلام نے اُن سے ایک شہر پر حملہ کرنے کے بارے میں فرمایا، تو جواب دیا "آپ اور آپ کا ربّ جاکر لڑائی کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔ اُن کا ظلم اور مستی اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ مختلف مواقع پر انبیاء علیہم السّلام کو بھی قتل کر ڈالا ــــ بالکل ایسا ہی حال اس وقت اس اُمّت کا ہے کہ گناہ کی طرف دوڑی چلی جارہی ہے ان کو خواہشاتِ بد سے روکنے کی کوئی تدبیر سمجھ نہیں آتی، اگر کوئی روکے تو اُلٹی اُس کی شامت آجاتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السّلام اور اُن کے چند ساتھی جب لوگوں کو سمجھاتے تو وہ یُوں کہا کرتے تھے۔ "یہ آئے بڑے پاکباز لوگ" اِنَّھُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَھَّرُوْنَ" ـــــ قریب قریب یہی حال ہماری قوم کا بھی ہے کہ کُھلّم کُھلا بُرائی کو جانتے بُوجھتے اختیار کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں اپنے دین ومذہب کو یکسر مسترد کر دیتے ہیں، اگر کوئی صحیح بات کہے بھی تو یُوں گویا ہوتے ہیں "آئے کہیں کے مولوی" یا "تم تو مولویوں والی باتیں کرتے ہو" "یہ تو مولویوں کے ڈھکوسلے ہیں"۔ وغیرہ وغیرہ۔

گزشتہ الیکشن میں قوم نے اجتماعی طور پر اس کا عملی مظاہرہ بھی کر دیا کہ ایسی قوّتوں کو ووٹ کے ذریعہ اپنی نمائندگی کا حق دیا جن کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے بلکہ دونوں سیکولر فکر کی

حامل جماعتیں ہیں جو اسلام کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کرتیں۔ اسلام اور مذہب سے ان کی بیزاری کا واضح ثبوت ان کا سابقہ دورِ حکومت ہے ہم وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ملک میں بار بار بھی الیکشن ہو جائے اگر اس کے نتیجہ میں یہی قوتیں برسرِ اقتدار آتی رہیں تو قیامت تک بھی ہماری حالت بہتر نہ ہوگی، بلکہ بد سے بدتر ہوتی چلی جائے گی، اس سے پہلے کہ خدا کی طرف سے ہم پر کوئی بڑا عذاب آئے قوم اپنے اس اجتماعی گناہ سے توبہ کرے اور دینی فطرت کی طرف رجوع کرے۔

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی وقرأت سبعہ وعشرہ اور روایت حفص نیز فارغین طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستاربندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجودہ مکمل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بروقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔

نیز شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا السید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ متوسلین اور تلامذہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مکمل تعارف کے ساتھ اپنے مکمل پتے ہمیں ارسال فرمائیں اگر آپ کا فون ہو تو اس کا نمبر بھی تحریر فرمائیں۔

(قسط: ۷)

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمّد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
تبویب و تزئین: مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمّد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند نے ـــــھ میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک عشا کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ۲۹ کی تفسیر بیان فرمائی، آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دیوبند جانا ہُوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے، لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہُوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہا اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچا دیں۔ اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اُسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔

اَب کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ صاحب، حیات بھی مسلّم اور موت بھی مسلم، مگر یہ سارے انسان ایک دم پیدا ہو جاتے، ایک دم ایک دن میں سب کا انتقال ہو جاتا، روز روز کی جھک جھک نہ رہتی۔ کوئی مر رہا ہے، کوئی جی رہا ہے، تو ایک ہی دفعہ موت دے دیتے، ایک ہی دفعہ زندگی دے دیتے، آخر ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایک ہی دن سب مرتے، عبرت پکڑنے والا کوئی نہ رہتا، تو موت کو جہاں ذریعہ بنایا ثمرات ظاہر ہونے کا وہاں عبرت کا بھی تو ذریعہ ہے کہ دوسرے کی موت دیکھ کر آدمی عبرت پکڑے کہ مجھے بھی اس راستے جانا ہے تو میں کوئی اچھا عمل کر لوں تو عمل پر اُبھارنے کے لیے ضرورت تھی کہ موت اور حیات کا سلسلہ مسلسل رہے (ایسا نہ ہو کہ) ایک ہی دن میں سب پیدا ہوں اور ایک دن میں سب مریں (بلکہ) کوئی مرے کوئی جیئے، کوئی آ رہا ہے، کوئی جا رہا ہے، تو آنے پر خوشی، جانے پر رنج۔ آنے پر توقع کہ اچھے اعمال کا ظہور

ہوگا، جانے پر عبرت کہ جب یہ جا رہا ہے اور اَب یہ بھگتنے گا تو ایسا نہ ہو کہ ہم جانے لگیں اور کوئی ایسی بُری حرکت کر کے جائیں کہ ہمیں بھگتنا پڑے تو عبرت کا مقام نہ ہوتا، اگر موت وحیات کا مسلسل سلسلہ نہ رہتا، تو موت پر بھی قادر، حیات پر بھی قادر اور موت اور حیات کا ایک سلسلہ قائم کر دیا بیک دم نہ موت رکھی نہ بیک دم حیات رکھی تاکہ عبرت و موعظت، ترقّیٔ درجات مدارج، یہ انسانوں کو حاصل ہوں اور یہ جب ہی ہوں گے کہ میت کو دیکھے اور عبرت پکڑے کہ کل کو ہمارے لیے بھی یہ دن آنے والا ہے تو اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔

اللہ تعالیٰ موت وحیات پر کیوں قادر ہیں؟

اور فرمایا کہ یہ ہم کیوں قادر ہیں ؟ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ اس لیے کہ ہم عزت والے ہیں۔ عزّت کی ہمارے یہاں کوئی انتہاء نہیں، تو جس کی عزّت اور جس کا اقتدار ہو، وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو جو بے عزّت ہو اُس کی وقعت ہی نہیں ہوگی کوئی اُن میں، تو وہ حکمرانی کیا کرے گا اُن کے اُوپر۔ عزّت والا ہی تو حکمرانی کرتا ہے۔ اگر بادشاہ کی نسبت تو بین بیٹھ جائے کہ یہ تو بڑا ذلیل آدمی ہے، اس کے تو بڑے بُرے افعال ہیں تو وقعت نہیں بیٹھے گی تو حکم ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا، چنانچہ جو سلاطین بداخلاق گزرے ہیں یا سیہ کار گزرے ہیں، مخلوق لعنتیں بھیجتی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح سے یہ ختم ہو جائیں، تو ظاہر بات ہے کہ ایسے کا حکم ماننا زبان سے تو ممکن ہے، مگر سورغبت سے کوئی ماننے والا نہیں اور حق تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ انسان جب ہمارا نائب بن کر حکومت کرے تو وہ اتنا محبوب القلوب ہو کہ رعایا دُعا مانگے، اس کے لیے، یُوں کہے کہ اس بادشاہ کی عمر دراز ہو۔ برکتوں کے سرچشمے پھُوٹ رہے ہیں، پُورے مُلک کے اندر برکات پھیل رہی ہیں۔

بادشاہ کے لیے محبوب القلوب ہونا ضروری ہے

تو بادشاہ کے لیے محبوب القلوب ہونا ضروری ہے۔ جب تک محبّت نہیں ہوگی بادشاہ کی کام نہیں چلے گا، اور محبّت جب ہوگی جب سرچشمۂ خیر و برکت ہوگا۔ تب محبّت ہوگی ورنہ عداوت ہوگی۔ تو محبّت ہونی چاہیے، محبّت جب ہوگی، جب عزّت والا ہو، اور عزّت والا وہی ہے جو خیر و برکت کا حامل ہے۔ خیر نہ ہُوئی، شر ہُوئی تو عزّت کے بجائے ذلّت پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے فرمایا کہ وَھُوَ الْعَزِیْزُ وہ عزّت والا بھی ہے اور اقتدار اور جلال والا بھی ہے کہ

سب ہیبت زدہ بھی ہیں، محبّت والے بھی ہیں، مگر اس کے بعد فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ جلال محض نہیں ہیں

جلال محض نہیں۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ بخشنے والا بھی بہت ہے، سخی بھی بہت ہے، داتا بھی بہت ہے۔ (چاہے) اس کا نام لینے کو بُرا کہیں ہیں۔ اس کے مقابلے پر آگئے ہیں لوگ، لیکن نہ سورج نکلنا بند ہوتا ہے نہ سبزیاں اُگنی بند ہوتی ہیں نہ بارشیں برسنی بند ہوتی ہیں۔

ادیمِ زمین سُفرۂ عامِ اوست　　چہ دُشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست

اس کا دستر خوان پھیلا ہُوا ہے، دوست اور دُشمن سب کھا رہے ہیں، یہ نہیں ہے کہ سُورج نکلے تو دوستوں کے گھر پر تو دُھوپ ڈالے اور جو دشمن ہیں اللہ کے ان کے گھر میں اندھیرا ہے، وہاں بھی سورج پہنچ رہا ہے۔ بارش بیچ نہیں رکھا گیا کہ دوستوں کے گھر پر تو بارش ہو اور اُن کے کھیتوں پر، اور دُشمنوں کے کھیت خشک ہوجائیں، جب آتی ہے بارش تو سب کے کھیتوں پر جاتی ہے۔ تو ایسا عام دستر خوان ہے کہ دوست دُشمن سب یکساں پَل رہے ہیں تو مغفرت والا بھی ہے، بخشش والا بھی ہے۔ رحم وکرم والا بھی ہے۔ اپنی مخلوق کے اُوپر بے انتہا شفیق بھی ہے۔

اللہ کی محبّت کی مثال

جیسے حدیث میں ارشاد فرمایا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مثال سے بیان فرمایا۔ ایک شخص ایک چڑیا کے بچّے پکڑ لایا۔ وہ بچّوں کو لے کر آیا تو اُس کی ماں چڑیا، وہ منڈلا رہی ہے، اس کے سر پر اور پھڑ پھڑاتی ہُوئی پھر رہی ہے آپ نے فرمایا کہ کیا اسے محبّت ہے بچّوں کی؟ عرض کیا۔ یارسول اللہ اتنی بڑی محبّت ہے دل میں پھڑ پھڑا رہی ہے اور اپنی جان دینا گوارا کرے گی، بچّوں پر آنچ آنا گوارا نہیں کرے گی۔ فرمایا! بے حد محبّت میں یہ پھڑ پھڑا رہی ہے اس کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ سمجھ لو کہ جب ایک جانور اور ماں بنا جانور اور یہ محبّت ہے تو اللہ جو سرچشمہ ہے سب کے وجود کا جس نے بنایا اسے کیسے محبّت نہ ہو گی اپنی مخلوق سے، اسے کہیں زیادہ محبّت ہے اپنی مخلوق سے جتنا کہ جانور کو اپنے بچّوں سے محبّت ہوتی ہے تو ظاہر بات ہے کہ جب محبّت والا ہے، جبھی تو بخشش عام ہے۔ مسلم ہو یا کافر ہو، دُھوپ اور بارش اور غلّہ اور کھانا اور پینا اور پھل سب کے

لیے عام ہے، ورنہ دوستوں کے لیے کرتے، دُشمنوں کے لیے نہ رکھتے، وہ بحیثیت مخلوق کے اُن پر بے حد شفیق ہے۔ تو اَلْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ عزت والا بھی ہے اور چشم پوشی کرنے والا بھی ہے۔ اخیر میں جب کوئی نہیں مانے گا، تو سزا دیں گے فطرت کے مطابق، لیکن عین گناہ کی حالت میں فوراً سزا نہیں دیتے کہ شاید اَب بھی سنبھل جائے، اب بھی سنبھل جائے بخشش کا دروازہ عام ہے، تو یہاں تین چار وصف ہو گئے، ایک تو یہ کہ ذاتِ بادشاہ، اللہ کی ذات مُبارک ہے، برکت والی ہے، دوسرے یہ کہ قادر ہے بِیَدِهِ الْمُلْكُ اس کے قبضے میں ہے تیسرے یہ ہے کہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ قدرت اور اقتدار اس کا انتہائی ہے اور ساتھ میں یہ کہ عزیز بھی ہے، عزّت والا بھی ہے جس کی وجہ سے سب مغلوب ہیں اور ساتھ میں غفور بھی ہے کہ محبّت بھی کرتے ہیں تو محسن بھی ہے، صاحبِ جلال بھی ہے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا قرآن کریم میں کہ

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ۔

اے پیغمبر مطلع فرما دیجیے مخلوق کو اور اپنی اُمّت کو کہ میں کون ہُوں؟

اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ ... (میں بہت ہی بخشش کرنے والا ہوں)

______________ تو جمال متوجّہ ہوتا ہے، تو بادشاہ اگر محض جابر و قاہر ہی ہو کہ جبر و قہر ہی کرے، تو رعایا کا ناس مارا جائے، اگر محض جمیل ہی جمیل ہو کہ رحم و کرم ہی کرتا رہے، غُصّہ نہ کرے، تب بھی ناس مارا جائے گا۔ اس لیے کہ بہت سی حرکات غصّہ اور قہر سے بنتی ہیں، محض انعام و اکرام سے نہیں بنتیں، تو دونوں شانیں ہونی چاہییں بادشاہ میں کہ جلال بھی ہو اور اکرام بھی ہو، جلال بھی ہو اور جمال بھی ہو۔ عزّ و اقتدار اور قہر بھی ہو اور مغفرت بھی ہو اور بخشش اور تدبّر بھی ہو۔ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ یہ پانچ اوصاف بیان کیے گئے۔ یہ تھے ذاتِ بادشاہ کے اوصاف، اور یہ کہ اُس کے افعال کیا ہیں وہ اس سے اگلی آیت میں ہیں، وہ انشاء اللہ پھر کل بیان ہوں گے۔

مَیں نے کل عرض کیا تھا کہ یہ سورت شہنشاہیِ خداوندی کے اُصول پر مشتمل ہے اور حکمرانی

کے اُصول اور لوازم ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ سب سے اوّل بادشاہِ عالمین کی ذات کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ مُبارک ہے، پھر اُس کی صفاتِ کمال کا تذکرہ کیا گیا جو حکومت کے لیے ضروری ہیں۔ اُن کی کل تفصیل عرض کی جا چکی ہے۔ آج کی آیتوں کی تفسیر کا حاصل ہوگا، لوازم بادشاہت۔

لوازمِ بادشاہت

یہ فطرتِ انسانی میں داخل ہے کہ جب کوئی حکومت قائم کی جاتی ہے تو سب سے اوّل دار الحکومت کی بُنیاد ڈالتے ہیں۔ دار السلطنت یا دار الخلافہ کہ جس کو بابِ عالی یا بابِ حکومت کہا جاتا ہے وہ قائم کرتے ہیں، اور اس کو نہایت مستحکم اور مضبوط بناتے ہیں۔

دُشمنوں کا حملہ سب سے پہلے دار السلطنت پر ہوتا ہے۔ وہ اگر قبضہ میں آجاتا ہے تو پُورا ملک فتح سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے دار الحکومت کو بہت ہی زیادہ مضبوط اور مستحکم بنایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے جاتے ہیں اور اگر کوئی بڑی سلطنت ہے تو ساتھ ساتھ شہر پناہیں قائم کی جاتی ہیں اور ہر شہر پناہ کے اندر بڑی بڑی فوجیں رکھی جاتی ہیں جن کے ساتھ ہیں سامانِ جنگ ہوتا ہے۔ جس زمانے کے مناسب جو کچھ سامان ہو یا جس ملک کے مناسب جو سامان ہو وہ فراہم کیا جاتا ہے۔ گولہ اور بارود اور آج کے دور میں مثلاً بم اور بڑی بڑی دُور مار توپیں اور مشین گنیں اور جیٹ طیارے۔ یہ زیادہ سے زیادہ مہیّا کیے جاتے ہیں دار السلطنت کے لیے، اور ضرورت کے مطابق اطرافِ ملک میں بھی یہ قوتیں قائم کی جاتی ہیں مختلف چھاؤنیاں بناتے ہیں، مگر دار السلطنت کو مضبوط رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ غنی ہیں کہ اُن کی حفاظت کے لیے کوئی دار السلطنت بنے یا اُن کے لیے قلعے بنائے جائیں وہ تو خود حافظ و حفیظ ہیں، وہ خود حفاظت کرنے والے ہیں جہانوں کی، اُن کی حفاظت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ مَلِک کے اظہار کے لیے تمام لوازم سلطنت قائم کیے

لیکن چونکہ اُن کی صفت ہے "مَلِكٌ اور بادشاہ ہونا" اس صفت کے اظہار کے لیے تمام لوازمِ سلطنت قائم کیے جاتے ہیں، تو سب سے پہلے شاہی قلعہ تعمیر کیا گیا۔

سات آسمان بمنزل سات شہر پناہوں کے ہیں

اور وہ بھی سات شہر پناہوں کا جن کو سات آسمان کہتے ہیں۔ تو آسمان زمین سے زیادہ مضبوط ہے۔ زمین کمزور ہے، لیکن آسمان مضبوط ہے۔ زمین میں روزانہ آپ تصرف کرتے ہیں۔ کہیں کھود کر کنوئیں بنا رہے ہیں، کہیں سڑکیں نکالی جا رہیں، روزانہ تغیّر و تبدّل زمین میں ہوتا ہے، لیکن آسمان میں کوئی تغیّر و تبدل نہیں۔ جب سے آسمان بنائے گئے ہیں، ہزاروں برس سے اس وقت سے یکساں حالت پر قائم ہیں۔

آسمان کہاں ہے؟

اب یہ کہ وہ آسمان کہاں ہے؟ تو ہو سکتا ہے کہ یہ جو نیلگوں اور چھت سی نظر آتی ہے یہی آسمان ہو، لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں کہ یہ آسمان نہیں، تو ہمیں بھی کوئی اصرار نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ نیلگوں چھت جو ہے اس کے اُوپر آسمان ہو اور یہ نیلگوں چھت ایسی ہو جیسے ایک بڑی چھت کے نیچے شہتیری لگا دیتے ہیں اور شامیانہ تان دیتے ہیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ یہ نیلگوں آسمان نہ ہو۔ آسمان اس سے بالاتر ہو۔

زمین سے آسمان تک کی مسافت پانچ سو برس ہے

اس لیے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک پانچ سو برس کی مسافت ہے اور چونکہ مبالغہ اور استحسان ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس واسطے وہ پانچ سو برس کی مسافت تیز سے تیز سواری پر طے ہونی چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ تیز سواری ہو، وہ پانچ سو برس میں پہنچ سکتی ہے وہاں تک، آج بڑی سے بڑی تیز سواری اگر ہو سکتی ہے تو راکٹ ہو سکتا ہے کہ جو ایک گھنٹے میں پچیس سو میل یا پچیس ہزار میل جانے والی سواری ہے، اور ممکن ہے کہ کل کو اس سے بھی زیادہ تیز رفتار سواری بن جائے تو وہ ایک گھنٹے میں پانچ سو کے بجائے پانچ ہزار یا پچیس ہزار کے بجائے پچاس ہزار میل طے کر لے۔ ایک لاکھ میل طے کر لے۔ پَل بھر میں پہنچ جائے تو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار سواری پر اگر سوار ہو کر جایا جائے تو پانچ سو برس میں آسمان پر پہنچ سکتا ہے آدمی۔ اور ظاہر ہے کہ نہ اتنی عمر ہے کسی کی کہ وہ اس سواری پر سوار ہو اور پانچ سو برس طے کرے۔ آج بڑی سے

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً　　علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّہم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم ان شاءاللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمّد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہر ایک کے لیے الگ الگ کلمات استعمال فرمائے ہیں۔ اُن کا درجہ بتلایا ہے، سب سے پہلا درجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، وہ اس اُمّت میں سب سے افضل ہیں اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد صحابہ کرام میں نبیوں کے سوا اُن کا درجہ سب سے بڑا تسلیم کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو جو مقام دیا تھا اُسی کے مناسب اُن سے کام بھی لیا تھا جب تک جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم دُنیا میں تشریف فرما رہے اُس وقت تک خود آپ نے حکومت چلائی اور آپ کے سامنے سوائے اس صورت کے کہ جب آپ خود ہی ارشاد فرمائیں کہ رائے دو بتلاؤ، اور بار بار ایسے فرماتے رہتے تھے، احد کے موقع پر فرمایا، بدر سے پہلے فرمایا۔ صلح حدیبیہ جب ہوئی ہے اُس وقت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے، مشورہ دو۔ اگر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ نہ فرمائیں اور حکم دیں تو بس وہ حکم ہے کوئی اس میں بول

ہی نہیں سکتا تھا، کوئی اُس کے خلاف نہیں کر سکتا تھا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدُ نِ الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ جب یہ خندق کی لڑائی ہُوئی (جس میں) مدینہ شریف پر چڑھائی کر کے آئے تھے سب لوگ، سب قبیلوں میں سے ایک ایک جتھہ لشکر وہ چل کر آئے، اس لڑائی سے جب فارغ ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھیں۔ اب کچھ حضرات نے یہی کیا، اُن سے عصر کی نماز کا وقت نکل گیا اور (انھوں نے) بنو قریظہ میں جا کر نماز پڑھی، کچھ حضرات نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہیں تھا کہ نماز چھوڑ دینا، مقصد یہ تھا کہ بہت جلدی کرو، تو اُنہوں نے یہاں پڑھ لی نماز، راستے میں اور پھر پہنچے۔ دونوں باتیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد میں جب وقت ملا تو عرض کی گئیں کہ کچھ صحابہ نے ایسے کیا اور کچھ نے ایسے کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں فرمایا، یعنی دونوں نے ٹھیک کیا، تو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیاتِ طیبہ میں تو یہ بات تھی کہ آپ جو فرمادیں آدمی اسی طرح کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ وحی ہے اسی میں خدا کی رضا ہے جس چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی ہو، اس طرح کے قصے بہت زیادہ ہیں بے شمار ہیں، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو آواز دی اُنہیں آنے میں کچھ دیر ہُوئی تو آپ نے فرمایا کہ کہاں تھے؟ کیوں دیر لگائی تم نے آواز نہیں سنی؟

(اُنھوں نے عرض کیا) آواز تو سُنی تھی، نیت بندھی ہُوئی تھی، تو آپ نے فرمایا جب اللہ نے فرمایا ہے اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ــــــ اللہ اور رسول کی بات کا جواب فوراً دو، جب وہ تمہیں بلائیں، گویا اُن کو نیت توڑ کر آجانا چاہیے۔

اَب یہ خصوصیت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی باقی تو کسی کی نہیں ہے۔ ابوبکر رضی عنہ کی تو نہیں ہے جو کہ اُمت میں بَعْدَ نَبِیِّ اللّٰہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑے ہیں اُن کی بھی یہ خصوصیت نہیں ہے، وہ اگر کسی کو آواز دیں اور نیت بندھی ہوئی ہو تو وہ مختصر کر کے آجائے گا۔ نماز پُوری کر کے آئے گا یہ نہیں کہ نیت توڑ کر آنا فرض ہو اس کے ذمہ۔ یہ خصوصیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

یہاں جب حدیبیہ کے موقعے پر پہنچے ہیں مکہ مکرمہ میں وہاں ایک شخص آیا، عروہ بن مسعود ثقفی

اس نے مکّے والوں سے کہا کہ مَیں چاہتا ہُوں کہ پہلے ان لوگوں سے جاکر مل کر آؤں کس ارادے سے آئے ہیں کس خیال سے آئے ہیں تو اُنہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے چلے جائیں آپ، جو نوجوان تھے، گرم جوش تھے۔ وہ تو کہتے تھے ہمیں کسی بات کی ضرورت ہی نہیں۔ ان سے بات ہی نہیں کرنی، وہ آئے کیوں ہیں، ہم تو لڑیں گے۔ پھر جو تجربہ کار تھے ذی رائے لوگ تھے اُنھوں نے کہا نہیں لڑنے کی بات کیا ہے، اگر اُنہوں نے بات کہلائی ہے کوئی ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے، ان کا پیغام جو آیا ہے اسے سُننا چاہیے، وہ پیغام یہ تھا کہ ہم تو صرف عمرے کے لیے آئے ہیں۔ اس کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں اور ہمیں اجازت دے دو عمرہ کرنے کی اور اگر وہ چاہتے ہیں تو ایسے ہو سکتا ہے کہ صلح کرلیں، آپس میں معاہدہ کرلیں ہم۔ یہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے پیغام گیا تھا، تو وہ آیا عروہ بن مسعود، اس نے کہا میں جاکر دیکھتا ہُوں۔ بات کرتا ہُوں، پھر آکر تم کو بتلاؤں گا، وہ پہنچا وہاں وہاں جاکر وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے باتیں کرتا رہا۔ اس میں اُس نے کہا یہ جو لوگ آپ کے اِدھر اُدھر ہیں یہ کوئی کہیں کا ہے کوئی کہیں کا ہے ایک خاندان کے تھوڑے ہیں، یہ ایک قبیلے کے نہیں ہیں، ایک خاندان کے نہیں ہیں۔ اگر آپ کا مقابلہ پڑ گیا مکّے والوں سے تو یہ سب بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے بہت سخت جملہ کہا۔ جواب دیا ہم بھاگ سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑ دیں اور بھاگ جائیں۔ ایسے ہو سکتا ہے؟ خیر وہ بیٹھا رہا، وضو کی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو آپ کی وضو کا پانی صحابہ کرام نے زمین پر نہیں گرنے دیا، وہ ہاتھ میں لے لیتے تھے۔ کوئی مُنہ سے مَل لیتا تھا۔ کوئی کسی طرح اور جسے نہیں ملا پانی اس نے دوسرے ساتھی کے ہاتھ سے ہاتھ مَل لیا اور اپنے مُنہ کو لگا لیا اور کہیں لگا لیا۔ وہ دیکھتا رہا۔ تمام چیزیں دیکھیں، اس نے کہا بعد میں جب وہ مکّہ مکرّمہ میں پہنچا تو وہ کہتا ہے میں گیا ہوں تمام بادشاہوں کے پاس کسریٰ کے پاس بھی گیا۔ نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں، حبشہ والے بادشاہ کے پاس۔ کسریٰ ایران والا بادشاہ ہوگیا اور روم والے بادشاہ کے پاس بھی گیا۔ یمن والے بادشاہ کے پاس بھی گیا، مگر مَیں نے ایسا نہیں دیکھا کہ کوئی بھی اتنی تعظیم کرتا ہو اپنے بادشاہ کی جتنی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھیوں نے کی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف کرتے ہُوئے کہنے لگا کہ کبھی نظر سے بھی جما کے نہیں دیکھتے، نظر جما کر بھی نہیں دیکھا اور وہ بھی تعظیماً،

اور اسی طرح سے جب کوئی بات کہتے ہیں تو ہر آدمی سبقت کرتا ہے کہ مَیں یہ کام پہلے کروں۔

اور جب گفتگو کرتے ہیں تو سب خاموش ہوجاتے ہیں۔ وغیرہ، اُس نے جو چیز دیکھی تھی وہ اس نے نقل کی جا کر وہاں اور اُس نے رائے دی کہ یہ لوگ جو ہیں اُنھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک کہا ہے، تمھیں صلح کرلینی چاہیے، لڑائی بالکل نہیں کرنی چاہیے، تو یہ بات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہی تھی اور آپ ہی کی خصوصیت تھی۔ آپ کے بعد دُنیا میں جو خلیفہ ہُوئے سب سے پہلے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اب کہاں ایک نبی کی حکومت اور کہاں ایک اُمّتی کی حکومت۔ اُمّتی پر تو اعتراض ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو یہ فرمایا اور آپ یہ کر رہے ہیں اور اس میں یہ غلطی ہے اور اس میں یہ ہو رہا ہے، تو اگر کوئی آدمی اتنا ہی پاکیزہ نہ ہوتا جیسے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو حکومت چل ہی نہیں سکتی تھی اور اسلام وہیں رہ جاتا۔ وہ ٹکڑے ہوجاتا، ختم ہوجاتا، تو اُن کا طرزِ عمل وہ رہا ہے جو اُنھوں نے دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسے کیا ہے، بس ویسے ہی کیا، اس میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں لائے تو کسی آدمی کو کوئی اشکال ہی نہیں رہنا، ہاں کچھ مسائل ایسے بھی پیش آئے جن میں ضرورت پڑی مشورے کی، تو یہ پُوچھا کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کیا فرمایا کسی کو پتا ہو وہ بتلائے، وہ جمع کرلیتے تھے، پُوچھ لیتے تھے اسی طرح کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بعد میں اسی طرح وہ بھی کرتے تھے، تو ان کی سیرت جو تھی وہ صدیقیت والی شان کی تھی، یعنی اُن کے قلب مبارک پر وہ باتیں آتی تھیں جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کرتے رہے، اللہ تعالیٰ بتلاتا رہا۔ وہ ہی باتیں اُن کے دل میں بھی آئیں اور اتنی پابندی تھی کہ جب آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم دُنیا سے رُخصت ہُوئے ہیں تو آپ کے بعد ایک نے دوسرے نے تیسرے نے پھر چوتھے نے سات آدمیوں نے دعویٰ کردیا نبوّت کا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن کے مقابلے کے لیے لشکر روانہ کیے اور دوسری طرف ایک معاملہ یہ پیش آیا، کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ زکوٰۃ جو ہے یہ بھی ایک طرح کا ٹیکس ہے یہ ہم نہیں دیں گے، وہ زکوٰۃ کو اللہ کا فرض نہ سمجھے کہ مسلمان پر جیسے نماز ویسے زکوٰۃ جیسے روزہ ویسے زکوٰۃ اس کے بجائے ذہن میں اُن کے یہ آیا کہ یہ بھی ایک طرح کا ٹیکس ہے تو ہم دیتے رہے جب تک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم رہے، اَب وہ حکم منسوخ ہوگیا، اَب ہم نہیں دیں گے، اُنھوں نے کہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ جو آدمی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ ایک

کو کہے فرض ہے اور دوسرے کو کہے کہ نہیں رہا فرض لَاُ قَاتِلَنَّھُمْ ان سے لڑوں گا۔ اُدھر بھی لشکر بھیجا۔ اَب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک لشکر اور روانہ کرنے لگے وہ وہ تھا جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ترتیب دیا تھا۔ اس میں اسامہؓ سردار تھے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے نام شامل تھے اِن کے تحت (یعنی) اسامہؓ کے تحت کہ یہ جائینگے لشکر میں کہ (آپؐ کی) علالت ہوئی اور وفات ہوئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کا جو جھنڈا تھا وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود اپنے دستِ مُبارک سے عنایت فرمایا تو حضرت عمرؓ نے گزارش کی کہ وہ تو ایک پوری حکومت ہے بڑی جری جیسے آج روس کی یا امریکہ کی ایسے دو حکومتیں تھیں۔ کسریٰ کی اور رُوم کی، اس بڑی حکومت سے (لڑنے کے لیے) جو آپ لشکر بھیج رہے ہیں اور اِدھر یہ مانعین زکوٰۃ اور اُدھر مدعیانِ نبوّت، تو یہ سب کام کیسے ہوں گے بیک وقت، تو کچھ ترتیب ہو جائے۔ کچھ یہ۔ کچھ یہ لیکن اُنہوں نے کہا کہ یہ جھنڈا جو ہے یہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دستِ مبارک سے عنایت فرمایا ہے اور جو وہ کر چکے ہیں، تو ابوبکر، اپنا نام لے کر فرماتے ہیں کہ میں اسے کیسے روک سکتا ہُوں؟ چنانچہ بھیج دیا اور جب بھیجا اُنھوں نے تو پھر کامیابی ہُوئی اور وہ بڑھتی چلی گئی کامیابی۔

کہیں ناکامی ہوئی ہی نہیں سِرے سے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دَورِ خلافت آیا ہے تو دشمن کا دار الخلافہ فتح ہوا، دمشق فتح ہُوا اور اندرونی معاملات سارے ٹھیک ہو چکے تھے۔ کوئی مُدّعی نبوّت باقی نہیں رہا تھا، کوئی مانع زکوٰۃ باقی نہیں رہا تھا اور باہر فتوحات کا ایسے عالَم ہو چکا تھا، تو یہ کام ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ جیسا ہی آدمی کر سکتا ہے،

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا ہے بس وہ کونا باقی کچھ نہیں۔ ایک دفعہ حج کو جا رہے تھے راستے میں دیکھا کہ ایک عورت (یہ بخاری شریف میں آتا ہے قصّہ) لوگوں نے ذکر کیا ایک عورت ہمارے ساتھ جا رہی ہے اور اس نے نیت کی کہ میں چُپ رہوں گی۔ بولوں گی نہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تشریف لے گئے۔ جا کر اس سے بات کی اُس نے جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اسلام میں یہ دُرست نہیں ہے اسلام نے جو چیز بنائی ہی نہیں اُسے تم اسلام کا جز بنالو۔ یا یہ تعلیم سمجھ لو۔ یہ غلط ہے، پھر بولنا شروع کیا اُس نے، وہ اُن کو نہیں جانتی تھی۔ اُس نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے کہا کہ مَیں قریش میں سے ایک آدمی ہُوں۔ اس نے

کہا قریش میں سے کس خاندان سے پھر وہ خاندان پُوچھا پھر اور پُوچھا، پھر اور پُوچھا، تو وہ فرمانے لگے (یعنی) حضرت ابوبکرؓ اِنَّكِ لَسَئُوْلٌ تو تو بہت زیادہ سوالات کرتی ہے۔ اُنہوں نے نام بھی بتلا دیا کہ مَیں ابوبکرؓ ہُوں، پھر اُس نے اور سوالات کیے۔ وہ علمی سوالات کچھ کرتی رہی، تو جو چیز دیکھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کرتے ہُوئے اسی پر چلتے رہے اور اصل دین وہی ہے اور اصل کامیاب بھی وہی آدمی ہے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت پر چلے، باقی اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور مَیں نے عرض کیا ہوگا کہ آدمی ممکن ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہے رات بھر جاگتا رہے، لیکن سُنّت پر چلنا اس سے زیادہ مشکل ہوگا۔ سُنّت کا تقاضا یہ ہے کہ سوئے بھی اور جاگے بھی، روزے بھی رکھے اور نہ بھی رکھے، اور وزن کرتا رہے کہ اس وقت کس چیز میں زیادہ ثواب ہے اس وقت کونسی چیز رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتلائی ہے وہ کی جائے جو یہ کرتا رہے گا تو اُس میں آپ کو یہ نظر آئے گا کہ یہ زیادہ عبادت بھی نہیں کرتا۔ یہ بھی نہیں کرتا، وہ جو انسان چاہتا ہے دوسروں کو تأثر دینا کہ میں زیادہ باعمل ہُوں اور مَیں زیادہ عبادت گزار ہُوں، چاہے گوشہ نشین ہو کر یہ تأثر دے چاہے کسی طرح بھی دے وہ کام آسان ہے۔

اور یہ سُنّت کی ناپ تول کرتے رہنا ہر وقت جس کا نام اتّباعِ سُنّت ہے یہ بہت مشکل ہے اور قرآنِ پاک نے یہی کہا ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ اگر تمہیں اللہ سے محبّت ہے تو میری پیروی کرو۔ یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اور ایسی ذات کوئی اور نہیں ہے کہ جس کی ہر بات کی پیروی کی جائے سوائے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے۔ آج کوئی کسی قسم کی بات کرتا ہے تو اس سے ضرور پُوچھا جائے کہ اس میں کیا مسئلہ ہے کیسے ہے آپ نے کہاں سے لیا ہے کہاں سے دیکھا ہے، کیونکر کر رہے ہیں ؟ پُوچھ سکتے ہیں، بلا پُوچھے ہُوئے محض جو دیکھا ہے کرتے ہُوئے اِس کی نقل اُتارنی یہ، اور وہ نقل اس کو پسند ہو یہ صرف جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں تو اتّباعِ سُنّت زیادہ مشکل کام ہے اور اتّباعِ سُنّت ہی اصل کام ہے۔ وہی اللہ کا قُرب عطا کراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں آپ کا ساتھ نصیب فرمائے۔

○

طالب چاندپوری

نعتِ رسولؐ

وہ نازشِ کونین ، وہ اللہ کا پیارا　　　وہ امتِ عاصی کے سفینے کا سہارا

وہ جس نے زمانے کو دیا درسِ اخوت　　　وہ جس نے بہم جذبۂ اُلفت کو اُبھارا

وہ پیکرِ تسلیم و رضا ، صابر و شاکر　　　وہ جس نے کیا نانِ جویں کھا کے گزارا

وہ عرشِ معظم پہ جو پہنچا شبِ اسراء　　　وہ جس نے کیا قدرتِ خالق کا نظارا

وہ غمزدہ و بیکس و لاچار کا حامی　　　وہ جانِ سکوں راحتِ دل آنکھ کا تارا

وہ زیرِ قدم جس کے زمانے کے خزانے　　　وہ جس نے کیا عشرتِ دُنیا سے کنارا

وہ جس نے بصد شوق مصیبت کو اُٹھا کر　　　تہذیب کی اُلجھی ہُوئی زلفوں کو سنوارا

وہ جس کے لبوں پر تھیں جفاؤں پہ دُعائیں　　　وہ جس نے عدو کو بھی محبت سے پُکارا

طالبؔ ہے مجھے فخر کہ وہ فخرِ دو عالمؐ
محبوبِ خدا ، رہبرِ اعظم ہے ہمارا

(قسط : ۱۴)

بارگاہِ ربّ العزت میں عجز و انکسار

پتھر برسانے والوں کے حق میں خیر اندیشی اور ہمدردی

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اوراق

اہلِ طائف کی وحشیانہ حرکتوں سے مجروح و مضروب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انگور کی ٹٹی کے سایہ میں نڈھال بیٹھے ہیں۔ دل میں درد ہے۔ زخموں میں ٹیس مگر پیشانی بارگاہ ربّ العزت میں جھکی ہوئی ہے اور زبانِ مبارک[1] مصروفِ دُعا ہے۔

ترجمہ یہ ہے۔

"میرے اللہ میں تجھ سے اپنی بے بسی کا شکوہ کرتا ہوں۔ میں لوگوں میں ذلیل ہو رہا ہوں اس کا شکوہ تجھ ہی سے کرتا ہوں۔ اے سارے مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان۔ اُن کا ربّ (نگران و مددگار) تو ہی ہے جو دُنیا میں کمزور سمجھے جاتے ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں ہوتا، جن کے پاس وسیلے اور ذریعے نہیں ہوتے اور ہاں میرا ربّ تو ہی ہے، اے میرے پروردگار تو مجھے کن کے حوالے کر رہا ہے۔ اُن کے جو مجھ سے دُور ہیں! جو مجھ سے بات بھی کرتے ہیں تو مُنہ بگاڑ کر۔ یا اُن کے جو میرے دُشمن ہیں۔ کیا تُو نے میرے معاملہ کا مالک ان کو بنا دیا ہے۔

اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے۔ خداوندا اگر مجھ پر تیرا عتاب نہیں ہے تو مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں ہے۔ خداوندا تیری عافیت کا دامن بہت وسیع ہے، میری سمائی تیری عافیت کی گود ہی میں ہے۔

---

[1] غور کیجیے کیا ایسا شخص (معاذ اللہ) کاذب یا ساحر یا شاعر ہو سکتا ہے؟

تیرے چہرے کا وہ نُور جس سے اندھیریاں روشنی بن جاتی ہیں جس کے ادنیٰ جلوے سے دُنیا اور آخرت کے بگڑے ہُوئے کام سنور جاتے ہیں، بَس اسی نُور کی پناہ لیتا ہُوں۔

"مَیں پناہ مانگتا ہُوں اِس سے کہ مجھ پر تیرا غضب پڑے یا عتاب نازل ہو۔ تجھ ہی کو منانا ہے اور اس وقت تک منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ اے اللہ مجھ میں نہ طاقت ہے نہ زور ہے۔ جو کچھ طاقت ہے تیرا ہی صدقہ ہے۔ جو کچھ قُوّت ہے وہ تیری ہی عطا ہے، میری کوئی تدبیر کارگر نہیں، کارساز تو ہی ہے۔ بگڑی کو بنانے والا تو ہی ہے۔"

یہاں سے اُٹھے۔ دِل غمگین تھا۔ حسرت و افسوس کے دُھوئیں سے دم گھٹ رہا تھا۔ سَر جُھکائے ہُوئے تشریف لے جارہے تھے۔ کچھ دھیان پلٹا تو دیکھا پہاڑی سامنے ہے جس کو قَرْنُ الثَّعَالِبْ یا قَرْنُ الْمَنَازِلْ کہتے ہیں۔ آپ یہاں ٹھٹکے، اُوپر نظر اُٹھی تو دیکھا ایک بادل آپ پر چھایا ہُوا ہے، بادل پر نظر ڈالی تو دیکھا حضرت جبرئیل امین جلوہ افروز ہیں اور فرمارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سُن لیا، دیکھ لیا، تم نے جو کچھ کہا۔ جو لوگوں نے جواب دیا، جس طرح تم کو واپس کیا اور جو سلوک تمہارے ساتھ کیا، وہ بھی دیکھ لیا۔ اب یہ پہاڑوں کے فرشتے (ملک الجبال) موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھیجا ہے۔ آپ حُکم کیجیے۔ یہ تعمیل کریں گے۔

پھر ملک الجبال سامنے آیا۔ سلام عرض کیا۔ پھر کہا۔

یا محمّد! تمہاری قوم کی تمام باتیں خُدا نے سُنیں۔ دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔ آپ جو چاہیں حکم کریں۔ مَیں تعمیل کروں گا۔ آپ حکم دیں مکّہ کے دونوں طرف جو پہاڑ ہیں ان کو مِلا کر ان تمام گستاخ، بے ادب لوگوں کو پیس ڈالوں۔

ایک آزمائش وہ تھی کہ اہلِ طائف ہر طرف سے پتّھر برسا رہے تھے۔ دوسری آزمائش یہ ہے کہ جبرئیل امین اور ملک الجبال ان سب کو پیس ڈالنے کی فرمائش کے منتظر ہیں۔ وہ امتحان تھا صبر و ضبط۔ تحمّل اور استقلال کا۔ یہ امتحان ہے وسعتِ ظرف۔ فراخی حوصلہ اور

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۶ ج ۳

دعوٰی رحم وکرم کا۔

جس خُدا نے آپ کو اُس امتحان میں ثابت قدم رکھا۔ اُس نے آپ کو اِس امتحان میں بھی کامیاب فرمایا۔

فرشتے کی درخواست سُن کر دل مبارک بے تاب ہوگیا۔ یہ خدا کی مخلوق جو نبی کی کھیتی ہے، برباد کر دی جائے۔؟

آپ نے فرشتوں کو جواب دیا۔

اَرْجُوْاَنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ اَصْلَابِهِمْ مَّنْ یَّعْبُدُاللّٰهَ وَلَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا۔[1]

اگر یہ بدنصیب راہِ راست پر نہ آئیں تو اُن کی نسل سے میں نا اُمّید نہیں ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ اُن کی نسل میں وہ ہوں گے جو خداء واحد کی عبادت کریں گے اور شرک سے باز رہیں گے۔[2]

باغ کے مالک اور اُن کا غلام

یہ باغ عتبہ[3] اور شیبہ بن ربیعہ کا تھا جو مکّہ کے مشہور رئیس تھے۔ یہ دونوں بھائی باغ میں موجود تھے۔ انھیں غیرت آئی کہ اُن کے شہر کے ایک شخص کے ساتھ طائف والوں نے یہ سلوک کیا، مگر یہ ہمّت پھر بھی نہیں ہُوئی کہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سے آکر بات کرتے۔ انگوروں کے خوشے تھالی میں رکھ کر غلام کو دیے کہ وہ ان مظلوم مہمانوں کے پاس لے جائے جو سایہ میں بیٹھے ہُوئے ہیں۔

---

[1] بخاری شریف ص: ۴۵۸ مسلم شریف ص: ۱۰۹ ج: ۱ [2] حضرت نوح علیہ السّلام کو اس کی توقع نہیں تھی آپ نے بارگاہ رب العزّت میں یہ عرض کیا تھا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (سورہ نوح) اگر ان کو مہلت رہی تو یہ بندگانِ خدا کو گمراہ ہی کریں گے اور صرف انہیں کو جنم دیں گے جو بدکار اور بدترین کافر ہوں گے۔

[3] حضرت معاویہ رضی اللّٰہ عنہ کے نانا۔ حضرت ابوسفیان کے خسر۔ غزوۂ بدر میں سب سے پہلے یہ دونوں بھائی اور عتبہ کا لڑکا ولید بن عتبہ ہی حضرت حمزہ حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللّٰہ عنہم کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ تفصیل سلسلہ غزوات میں ملاحظہ فرمائیے۔

غلام کا نام عداس تھا۔ مذہباً عیسائی تھا۔ وہ آپ کے پاس انگور لے کر آیا۔ آپ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو زبان مُبارک پر آیا۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

عداس۔ الرحمٰن الرحیم سُن کر چونکا۔ کہنے لگا۔ یہاں کے آدمی تو الرحمٰن الرحیم نہیں کہتے۔[۱]

آپ نے فرمایا۔ تم کہاں کے ہو۔ عداس نے جواب دیا۔ میرا آبائی وطن "نینویٰ" تھا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ وہی نینوای جو میرے بھائی یونس (علیہ السّلام) کا وطن تھا۔

عداس۔ آپ حضرت یونس کو کیسے جانتے ہیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا۔ میرے اور اُن کے درمیان "نبوّت" کا رشتہ ہے، وہ بھی اللہ کے نبی تھے۔ مَیں بھی اُسی خُدا کا بھیجا ہُوا نبی ہوں۔

عداس یہ سُن کر تڑپ گیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ پیر چُومنے لگا۔ عتبہ اور شیبہ نے دُور سے دیکھا تو کہنے لگے اس کو تو "محمدؐ" نے بگاڑ دیا۔

جب عداس واپس پہنچا، تو دونوں بھائیوں نے غلام سے پُوچھا۔ تم یہ کیا حرکت کر رہے تھے۔

عداس۔ یہ نبی ہیں۔ ان سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اُنہوں نے مجھے دو باتیں بتائیں جو نبی ہی بتا سکتا ہے۔

دونوں رئیس۔ اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ اپنے مذہب پر رہو۔ تمہارا مذہب اس کے دین سے بہت اچھّا ہے۔[۲]

مطعم بن عدی کی قدر دانی

طائف میں یہ سب کچھ ہُوا، مگر وہ سوال پھر بھی رہ گیا جس کے لیے آپ نے یہ سفر اختیار کیا تھا۔ آپ نے مکّہ پہنچنے سے پہلے یکے بعد دیگرے رؤساء مکّہ اخنس بن شریق اور سہیل بن عمرو کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ حمایت کا وعدہ کر لیں، مگر دونوں نے انکار کر دیا کہ وہ قریش کے حلیف ہیں، وہ قریش کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔ پھر آپ نے اُس کے پاس پیغام بھیجا جس کے لیے یہ شرف مقدر تھا۔

یہ رئیس مکّہ "مُطعم بن عدی" تھا۔ اُس نے حمایت کا وعدہ بھی کیا اور یہ فرمائش بھی کی کہ

---

[۱] ملاحظہ فرمائیے سورۃ ۲۵ الفرقان کی آیت ۶۰ جب ان مشرکین مکّہ سے کہا جاتا ہے کہ سجدہ کرو رحمٰن کو تو وہ (انجان بن کر کہتے ہیں) رحمٰن کون ہے؟ [۲] البدایہ والنہایہ ص: ۱۳۶ ج: ۳

آپ اس کے یہاں تشریف لائیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم، مطعم کے یہاں تشریف لے گئے۔ رات اُن کے یہاں گزاری صُبح ہُوئی تو مطعم نے خود ہتھیار سجائے۔ اس کے چھ سات لڑکے تھے، سب کو مسلّح کیا۔ پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو لے کر چلا۔ حرم کعبہ میں پہنچا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کہا آپ طواف کریں، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے طواف کیا۔ مطعم اور بیٹے حفاظت کرتے رہے جب طواف سے فارغ ہُوئے تو "مطعم" نے اعلان کر دیا کہ "محمدّ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) میری پناہ میں ہیں"۔

ابوسفیان مطعم بن عدی کے پاس آیا دریافت کیا۔ تم نے محمدّ کو اپنی پناہ میں لیا ہے یا اُن کا مذہب قبول کر لیا ہے۔ مطعم نے جواب دیا۔ مَیں نے مذہب نہیں بدلا صرف محمدّ کو پناہ دی ہے ابوسفیان نے کہا۔ تب آپ کے اعلان کا احترام کیا جائے گا۔ [1]

بقیہ : درسِ قرآن

بڑی عمر ہے تو وہ ساٹھ ستر برس کی ہے، سو برس کی ہو جائے گی، تو اس عمر پر انسان طے نہیں کر سکتا جب تک کہ مددِ خداوندی شاملِ حال نہ ہو۔ اسی واسطے ایک موقعہ پر قرآن کریم میں فرمایا گیا۔

یَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ۔

اے جنوں اور انسانوں! اگر تم یہ کوشش کرنا چاہتے ہو کہ زمین اور آسمانوں کے فاصلے طے کر لو اور اُن کی اَقْطَار سے گزر جاؤ۔ قُطر کہتے ہیں اس کو جو دائرے کے بیچ میں ہوتا ہے خط، اس سے پار ہو جاؤ تو ہو سکتے ہو، محال نہیں، لیکن ہو نہیں سکتے اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۔ جب تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی مدد نہ دی جائے تمہیں، کوئی حجّت تمہارے ہاتھ میں نہ ہو اس وقت تک تم آسمانوں تک نہیں جا سکتے۔ آسمان سے نیچے نیچے جہاں تک تمہارا جی چاہے چلے جاؤ، جہاں تک طاقت ہو۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۷ ج ۳

پروفیسر محمد اسلم ۹۵۰/این سمن آباد، لاہور

حضرت مجدد الف ثانیؒ
کا
ایک نادر تذکرہ

رضا لائبریری رام پور میں "رسالہ در احوال و اعمال و عقائد حضرت مجدد الف ثانیؒ" کے عنوان سے ۱۱ اوراق (۲۲ صفحات) کا ایک نادر رسالہ محفوظ ہے جس کے مصنف حضرت مجددؒ کے خلیفہ حضرت محمد صالح کولابیؒ (م ۱۰۳۸ھ) ہیں[1]۔ فاضل مصنف کا نام رسالہ کے متن میں موجود ہے[2]۔ انہیں حضرت مجددؒ کا قرب حاصل تھا۔ اور اُن کے نام مکتوباتِ امام ربانی میں کئی خط موجود ہیں۔

یہ رسالہ تین فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، فاضل مصنف نے اُن کی تفصیل یوں دی ہے۔

"فصلِ اول : در بیان بعضی احوال و اوضاع شریف ایشان و عقائد

فصلِ دوم : در بیان ادعیہ برائے دفع شرِّ جن۔

فصلِ سوم : در بیان ادعیہ کہ در اوقاتِ مختلفہ میخوانند۔ و ذکر بعضی معارف بلند و حقائق ارجمند کہ داخل مکتوبات و رسائل شریفِ حضرت نشدہ"

رسالہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ الطاہرین اجمعین۔ اما بعد۔ نمودہ می آید کہ چوں یکے از عتبہ بوسانِ درگاہ بعز عرض اشرف اقدس اعلیٰ خادمان حضرت حجۃ الاولیاء والصدیقین برہان الاتقیاء المحبوبین قبلۃ الاصفیاء والمسترشدین امامنا وقبلتنا شیخ احمد الفاروقی النقشبندی سلمہ اللہ و ابقاہ الی

---

[1] مخطوطہ عربی، نمبر ۹۳۶ - (اس رسالہ کا اُردو ترجمہ مدت ہوئی لاہور سے طبع ہو چکا ہے، لیکن اب نایاب ہے)

[2] ایضاً، ورق ۱۱۳ب -

یوم الدّین بعرض داشتند[1]۔

فصل اوّل میں حضرت محمد صالح کولابی رح نے اپنے مُرشد گرامی حضرت مجدّد الف ثانی کے روز و شب کے معمولات درج کیے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ آنجناب نصف شب کے بعد بیدار ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ الْبَعْثُ وَالنُّشُوْرُ۔ اس کے بعد آپ آیت کریمہ پڑھتے اور یہ الفاظ دہراتے: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ... اِلٰی مَا تَکْسِبُوْنَ۔

جس وقت موصوف وضو فرماتے تو اعضاء دھوتے وقت ایک ایک عضو کی مسنون دُعا پڑھتے وضو سے فارغ ہو کر بھی دُعا کرتے۔ آپ وتر اوّل شب میں پڑھنے کے عادی تھے۔ جب تہجد کا وقت ہوتا تو موصوف بارہ رکعتیں ادا کرتے اور عام طور پر ان میں سورۂ یٰسین، الم سجدہ، مزمّل، الواقعہ، الملک اور چہار قل پڑھا کرتے تھے۔ تہجد سے فراغت کے بعد عموماً سورۂ آل عمران کا آخری رکوع تلاوت فرماتے۔ اور ستّر مرتبہ استغفار پڑھتے۔ فاضل مصنّف نے کئی بار انہیں ستّر بار رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ پڑھتے ہوئے بھی سُنا ہے۔ آنجناب فجر کی سُنتیں گھر میں ادا کر کے مسجد تشریف لے جاتے۔ اگر کبھی خود امامت فرماتے تو طویل قرأت فرماتے نمازِ فجر کے بعد ان کا معمول لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھنے کا تھا۔ بعد ازاں آپ سات بار اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔ پڑھتے۔ پھر وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ اور حٰمٓ تنزیل الکتب ... اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ تک تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد آپ آیت الکرسی کا ورد کرتے اور پھر فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ... تُخْرَجُوْنَ تک پڑھتے۔ ازاں بعد آپ طلوعِ آفتاب تک درویشوں کے ساتھ مراقبہ فرماتے اور انہیں ذکر کراتے۔

طلوعِ آفتاب کے بعد آپ اشراق کے نفل ادا فرماتے۔ عام طور سے پہلی رکعت میں

---

[1] "سلمہ اللہ وابقاہ الی یوم الدّین" سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت مجدد رح کی حیات ہی میں لکھا گیا تھا۔ اس لحاظ سے یہ حضرات القدس اور زبدۃ المقامات سے بھی قدیم ہے۔

آیت الکرسی اور سورۂ یٰسین ..... نُفِخَ فِی الصُّوْرِ تک تلاوت فرماتے اور دوسری رکعت میں پھر سورہ یٰسین کا کوئی حصّہ اور سورۂ الشمس پڑھتے، حضرت مجدّد کا معمول روزانہ دو رکعت بہ نیّت استخارہ پڑھنے کا تھا۔ ان رکعتوں میں آپ پہلی رکعت میں قُلْ یا یھا الکٰفِرون اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھا کرتے تھے، کبھی کبھی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی یا اَلَمْ نَشْرَحْ یا قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں سورۂ اِخْلَاص یا مُعَوِّذتین پڑھتے تھے

نوافل کے بعد حضرت مجدّدؒ استغفار کرتے اور یہ دُعا پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔ اس کے بعد آپ استخارہ کی نیت سے یہ دُعا فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ مَآ اُرِیْدُ الْیَوْمَ وَاللَّیْلَۃَ مِنَ الْعَمَلِ ... یہ ایک طویل دُعا ہے۔

اشراق کے بعد آپ عموماً ادعیہ ماثورہ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت امام ربّانیؒ نماز چاشت کے پابند تھے اور عموماً آٹھ رکعتیں ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت محمّد صالح کولابیؒ نے اُنہیں کبھی کبھی چار رکعتیں ادا کرتے ہُوئے بھی دیکھا ہے۔ حضرت مجدّدؒ صلوٰۃ ضحٰی میں چار قل، سبح اسم ربک الاعلیٰ، والشمس، والیل اور الضحیٰ، پڑھا کرتے تھے۔ جب سُورج ڈھلنے لگتا تو موصوف زوال کے چار نفل ادا کرتے۔ فاضل مصنّف نے اُنہیں ان نوافل میں کبھی طویل اور کبھی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہُوئے دیکھا ہے۔

سردی کے موسم میں آنجناب نماز ظہر اوّل وقت ادا فرماتے اور ظہر کے بعد ایک پارہ یا نصف پارہ کسی قاری سے سُنتے۔ نمازِ عصر مثلین ہوتے ہی اوّل وقت ادا فرماتے اور نماز کے بعد طالبین کے ساتھ مراقبہ اور ذکر فرماتے، بعد ازاں خلوت میں درویشوں کے احوال پُوچھتے۔ نماز مغرب آپ اوّل وقت ادا فرماتے اور نماز کے بعد دس مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ

لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ یُحْیِی وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْیٍٔ قَدِیْرٌ ۔ پڑھتے اس کے بعد سات بار اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ کہتے بعد ازاں موصوف اوّابین کے چار نفل ادا فرماتے اور ان میں عموماً سورۃ الواقعہ اور کوئی تین سورتیں تلاوت فرماتے۔

عشا کی سُنتوں سے قبل آپ ہمیشہ دو نفل پڑھا کرتے تھے، سُنتوں میں آپ کا معمول، الم سجدۂ الملک، قُل یا ایہا الکٰفرون اور سورۂ اخلاص پڑھنے کا تھا، کبھی کبھی چار رکعتوں میں چاروں قُل بھی پڑھ لیتے تھے، وتروں کے بعد آپ دو نفل بیٹھ کر ادا کرتے اور سونے سے قبل الم سجدۂ اور سورۃ الملک ضرور پڑھتے تھے۔ حضرت محمّد صالح کولابیؒ نے آنجناب کو سونے سے قبل اذا زلزلت، سورہ قُل یا ایہا الکٰفرون آیت الکرسی، سورۂ بقرہ کا آخری رکوع، وَاِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ … مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ اور قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ … الخ سورۃ، اور چاروں قُل پڑھتے ہُوئے بھی دیکھا ہے۔ آنجناب سوتے وقت داہنا ہاتھ دائیں رُخسار کے نیچے رکھتے اور لیٹ کر بھی دُعائیں پڑھتے رہتے۔

جمعہ کی نماز حضرت مجددؒ حنفی طریقے کے مطابق ادا فرماتے۔ نماز جمعہ کے بعد موصوف سات بار الفاتحہ، سورہ اخلاص، اور سات بار معوّذتین پڑھا کرتے تھے۔ فاضل مصنّف فرماتے ہیں کہ آنجناب نماز جمعہ کے بعد صلوٰۃ ظہر بھی ادا کیا کرتے تھے۔[1] آپ نماز ظہر جمعہ کے بعد پڑھتے تھے، نماز جمعہ سے قبل ظہر کو مکروہ سمجھتے تھے، اس روز آپ نمازِ ظہر جماعت کے بغیر پڑھتے اور اُس کی نیت یُوں فرماتے۔ نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ آخِرَ فَرْضِ ظُھْرٍ اَدْرَکْتُ وَقْتَہٗ وَلَمْ اُؤَدِّہٖ بَعْدُ۔ حضرت محمّد صالح کولابی تحریر فرماتے ہیں کہ آنجناب یہ جمعہ کے دن نمازِ ظہر بڑی سختی کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔[2]

آنجناب عید کی نماز عید گاہ میں ادا فرماتے اور مُسلمانوں کے وسیلہ سے دُعا مانگتے۔ عید گاہ کی طرف جاتے وقت اور وہاں سے واپسی پر آپ تکبیریں کہتے اور ادعیہ ماثورہ پڑھتے۔

---

[1] ایضاً ورق ۱۱۹ الف۔ [2] شاید یہ "احتیاط الظہر" اکبر کے دَورِ الحاد کی وجہ سے پڑھتے ہوں گے ہندوستان میں انگریزی دَور میں بھی بعض حضرات "احتیاط الظہر" کی طرف مائل تھے۔ دارالاسلام میں "احتیاط الظہر" پڑھنے کا حکم نہیں۔ واللہ اعلم۔ محمّد یُوسف۔

ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں آنجناب سورۃ الفجر کی تلاوت ضرور کرتے تھے۔ آپ سفر و حضر میں نماز کسوف اور نماز خسوف بڑی پابندی کے ساتھ ادا فرماتے۔ ماہ صیام میں آنجناب افطاری سے قبل بکثرت دُعائیں کرتے۔

فصل دوم کا آغاز ورق ۱۱۹ ب سے ہوتا ہے۔ اس فصل کے آغاز میں فاضل مصنّف تحریر فرماتے ہیں کہ آنجناب ہر مہم کے لیے استخارہ فرماتے اور تحیۃ المسجد کے نوافل اگر وقت مکروہ نہ ہوتا تو کبھی قضا نہ کرتے۔ آپ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہر سُنّت کے حریص تھے موصوف جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اُس سے ہمیشہ احتراز فرمایا کرتے تھے، شب برأت میں لوگوں کو نفلی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے منع فرماتے۔ حضرت مجدّدؒ نماز میں رفع سبابہ نہ کرتے تھے[*] اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ لوگ وتروں کے بعد سجدہ کیا کرتے تھے۔ آپ ایسا نہ کرتے تھے ——— اور اس فعل کو مکروہ گردانتے تھے۔ حضرت امام ربّانیؒ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے اور جو لوگ ایسا کرتے آپ اُن کے اس فعل کو مستحسن نہ سمجھتے تھے۔[1] آپ ہر نیک و فاسق کے پیچھے نماز پڑھنی جائز سمجھتے تھے۔[2] آنجناب مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اور اگر وہ حاجتمند ہوتے تو اُن کی امداد فرماتے۔ آپ زیارتِ قبور کے قائل تھے۔ قبروں پر جا کر آپ اموات کے لیے دُعا کرتے اور اُن کے لیے بخشش چاہتے۔ حضرت مجدّدؒ قبروں پر قرآن پڑھنے میں توقف فرماتے تھے، کیونکہ فقہائے نے اسے مکروہ جانا ہے۔[3] امام محمدؒ الشیبانیؒ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اس لیے آپ کبھی کبھی قرآن پڑھ بھی لیتے تھے۔

آنجناب جب قبرستان جاتے تو اہلِ قبور کو سلام کرتے۔ موصوف قبروں کے طواف اور تقبیل کو بُرا سمجھتے تھے، لیکن اپنے والد بزرگوار کی قبر پر ہاتھ پھیر کر اُنہیں اپنے چہرہ پر

---

[1] ایضاً، ورق ۱۲۰ الف

[2] ایضاً ——— نماز را خلف ہر برّ و فاجر جائز میدارند۔

[3] ایضاً ——— و در خواندن قرآن بر قبور گاہی توقف می نمودند کہ رئیس الفقہائ بکراہیت آں قائل گشتہ اند

[*] تحقیق یہ ہے کہ رفع سبابہ فقہائے حنفیہؒ کے نزدیک بھی سُنّت ہے ——— محمد یوسف۔

ملنے کو معیوب نہیں جانتے تھے۔ حضرت مجددؒ مُردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے طعام پکاتے اور غریبوں کو کھلاتے۔ رقص و سماع کو آپ مکروہ سمجھتے تھے اور ایسی مجالس میں تشریف نہ لے جاتے جہاں رقص و سماع کا پروگرام ہوتا۔

حضرت محمد صالح کولابیؒ نے اپنے مُرشد گرامی کے بارے میں بڑے پتے کی بات لکھی ہے آپ حضرت مجددؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"احوال را تابع ظاہر شریعت میداشتند نہ شریعت را تابع احوال۔ میگفتند زیرا کہ شریعت قطعی است بوحی ثابت شدہ است و احوال ظنیت وازکشف و احوال ناشی گشتہ پس ظنی را باید کہ تابع قطعی باید داشت و قطعی را تابع ظنی نہ"[1]

حضرت امامِ ربانیؒ عقائد میں امام ابو منصور ماتریدیؒ کے مقلد تھے[2] اور فرمایا کرتے تھے کہ کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ ماتریدیہ حق پر ہیں اور حق اُن کی جانب ہے۔ آپ صحو کو سکر پر ترجیح دیتے اور تکوین کو صفاتِ حقیقیہ میں شمار کرتے تھے۔ آنجناب شرف صحبت نبوی کو تمام شرفوں سے افضل مانتے اور صحابہ کرام کو اولیائے سے افضل جانتے تھے۔ آنجناب نقشبندی طریقے کو باقی تمام طُرق سے افضل سمجھتے اور اُسے صحابہ کرام کا طریقہ قرار دیتے تھے۔

حضرت مجددؒ کے حضرت شیخ اکبرؒ کے ساتھ جو اختلافات ہیں، وہ اظہر من الشمس ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ اُنہیں نیکی کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے[3] آنجناب اُن کے بعض کشفی اُمور کو پسند نہ کرتے اور اُسے خطائے کشفی سے تعبیر کرتے تھے۔ یاد رہے کہ خطاء کشفی لائقِ مواخذہ نہیں ہے۔

فصل سوم کا آغاز ورق ۱۲۱ ب سے ہوتا ہے۔ اس فصل میں مختلف ادعیہ درج ہیں حضرت محمد صالح کولابیؒ رقمطراز ہیں کہ اگر کسی شخص پر جنّ کا اثر ہوتا تو حضرت مجددؒ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہتے۔ بعد ازاں سورۃ الفاتحہ،

(باقی صفحہ ۵۵ پر)

[1] ایضاً، ورق ۱۲۰ ب

[2] ایضاً، ورق ۱۲۱ الف ـــ رای علمائے ماتریدیہ را مقدم میداشتند بر رای علمائے اشاعرہ۔

[3] ایضاً، ورق ۱۲۱ ب ـــ شیخ محی الدین العربی قدس سرہٗ را بہ نیکی یاد میکردند اظہار محبت نسبت بشیخ می نمودند۔

ترجمہ و تلخیص
مولانا نسیم احمد فریدی رح

مکتوبات

امام ربّانی مجدد الف ثانی رح

مکتوب (۲۶۷) خواجہ حسام الدین احمد[1] دہلوی رح کے نام

. . . وہ مکتوب جو خواجہ زادگان (خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ) کو لکھا ہے۔ آپ کی نظر سے گزرے گا۔ مخدوما مکرما! جو نئی بات طریقت میں پیدا کی جائے وہ فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں جو شریعت میں پیدا کی جائے۔ برکاتِ طریقت اُس وقت تک باقی رہتے ہیں جب تک کوئی امرِ جدید پیدا نہ کیا

---

[1] مرزا حسام الدین بن قاضی نظام الدین حنفی بدخشی ثم دہلوی رح ـــــ آپ ۹۷۷ھ میں ہندوستان میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی ـــــ ابوالفضل کی ہمشیرہ آپ کو منسوب ہوئی تھیں ـــــ اُن کو اُن کے والد کے انتقال کے بعد منصب و جاگیر پہنچے تھے ـــــ اکبر بادشاہ نے اُن کو اپنے لشکر میں عبدالرحیم خانخاناں کے زیرِ قیادت داخل کر لیا تھا، خانخاناں اُن کے والد قاضی نظام الدین رح کے شاگرد تھے ـــــ اُنھوں نے کچھ دنوں لشکر کی خدمت بکراہت انجام دی۔ آخرکار بلطائف الحیل اس خدمت سے مستعفی ہوئے اور دہلی آگئے۔ یہاں حضرت خواجہ باقی باللہ رح کے دربارِ فیض آثار میں رہ کر فیوض حاصل کیے اور خلیفۂ مجاز ہوئے اور پیر و مرشد کی وفات تک برابر اُن کی خدمت کرتے رہے۔ قرآن مجید کو ایک ماہ میں پندرہ مرتبہ ختم کر لیتے تھے ـــــ غلبۂ ترک و تجرید کی بناء پر تمام عمر مسندِ ارشاد و مشیخت پر نہ بیٹھے، اپنے مرشد کی حیات میں اُن کی خدمت اور بعد وفاتِ مرشد اُن کے صاحبزادگان کی تربیت کی۔ ۱۰۴۳ھ میں آگرہ میں انتقال کیا اور دہلی میں اپنے پیر و مرشد کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ آپ خواجہ ابرار کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے نام مکتوباتِ امامِ ربانی رح تقریباً پندرہ عدد ہیں۔۱۲ ـــــ

(الفرقان بابتہ ماہ رمضان و شوال ۱۳۷۳ھ میں آپ پر مفصل مقالہ لکھ چکا ہوں۔ یہ مختصر حالات "نزہۃ الخواطر" سے ماخوذ ہیں) ـــــ

جائے جب امرِ جدید طریقت میں پیدا ہُوا اس طریق کی راہِ فیوض و برکات بند ہوگئی ـــــ پس محافظت طریق بھی اہم مقاصد میں سے ہے اور مخالفتِ طریق سے بچنا ضروری ہے ـــــ جہاں کہیں اور جس کسی سے اپنے طریقے کی مخالفت دیکھیں سختی کے ساتھ اس کو روکیں اور طریقے کی اشاعت و تقویت کریں۔ والسّلام والاکرام

مکتوب (۲۷۳) خواجہ حسام الدین احمد دہلویؒ کے نام

... التفات نامہ جو از راہِ کرم اس حقیر کو بھیجا تھا اس کو پاکر خوش ہُوا ـــــ جزاکم اللہ خیرًا۔ اس گرامی نامہ میں لکھا ہُوا تھا کہ اگر سماع کے روکنے کے اندر اتنا مبالغہ ہو کہ مولود سے منع کرنا بھی اس کے ضمن میں شامل ہو جائے ـــــ حالانکہ مولود میں قصائدِ نعتیہ اور کچھ اشعار کا پڑھنا ہوتا ہے ـــــ تو اس صُورت میں میر محمدّ نعمان اور یہاں کے (خانقاہ خواجہ باقی باللہ) کے احباب کے لیے جنھوں نے خوابوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا ہے کہ اس مجلسِ مولود سے بہت راضی ہیں۔ مولود کا ترک کرنا بہت مشکل ہے۔

مخدوما! اگر خوابوں ہی پر اعتماد کر لیا جائے تو مریدوں کو پیروں کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اور صوفیاء کے طریقوں میں سے کسی طریقے کو لازم پکڑنا ایک بے فائدہ عمل ہو جائے گا اس لیے کہ ہر مرید اپنی خوابوں کے موافق ہی عمل کیا کرے گا اور اُنہیں خوابوں کے مطابق اپنی زندگی گزارے گا چاہے وہ خوابیں طریقۂ پیر کے موافق ہوں یا نہ ہوں اور مُرشد کی پسندیدہ ہوں یا نہ ہوں ـــــ ایسی صُورت میں سلسلۂ پیری و مریدی درہم برہم اور ہر بوالہوس اپنے طور طریق میں مستقل ہو جائے گا۔ مُرید صادق ہزار خوابوں کو بھی اپنے پیر کے ہوتے ہُوئے آدھے جَو میں بھی نہیں خریدے گا اور طالبِ رشید پیر کے ہوتے اس قسم کے خوابوں کو خوابہائے پریشان سمجھے گا ـــــ شیطانِ لعین بڑا زبردست دُشمن ہے جو لوگ انتہائے کمال کو پہنچ گئے ہیں۔ وہ بھی اس کی چال سے مامون و بے فکر نہیں ہیں بلکہ اس کی مکاری سے برابر ڈرتے اور لرزتے رہتے ہیں ـــــ مبتدیوں اور متوسطوں کا ذکر ہی کیا ہے ـــــ زیادہ سے زیادہ ہے کہ منتھی غلبۂ شیطان سے محفوظ ہو جاتے ہیں برخلاف مبتدیوں اور متوسطوں کے (کہ غلبۂ شیطان سے اُن کے مغلوب ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے)۔ پس اُن کی خوابیں قابلِ اعتماد اور شیطان کے مکر سے محفوظ نہیں۔

(اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ) جس خواب میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھیں وہ تو سچّی ہی ہوتی ہے اور مکرِ شیطان سے محفوظ ـــــ اس لیے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود فرمایا ہے کہ شیطان میری صُورت میں نہیں آسکتا لہٰذا مذکورہ بالا خوابیں سچّی ہیں اور مکرِ شیطان سے محفوظ ہیں ـــــ (اس کا جواب یہ ہے کہ) صاحبِ فتوحاتِ مکیّہ (شیخ اکبر ابن عربی رح) نے شیطان کے عدمِ تمثّل و تشکّل کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس صورتِ خاص کے ساتھ مخصوص کیا ہے جو مدینۂ منورہ میں (گنبدِ خضرا کے اندر) مدفون ہے ـــــ شیخ اکبر رح شکلِ خاص کے علاوہ کسی اور شکل میں عدمِ تمثّل کو تجویز نہیں کرتے (یعنی وہ کہتے ہیں کہ شیطان، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اصل شکل میں تو نہیں آسکتا، البتّہ دوسری شکل میں آکر اور اصلی شکل کا گمان پیدا کرکے دھوکے میں ڈال سکتا ہے) ـــــ اور یہ بات ظاہر اور ناقابلِ شک و شُبہہ ہے کہ خواب میں اس شکلِ خاص کی تمیز بہت ہی مشکل ہے، لہٰذا (ہر) خواب کیسے لائقِ اعتماد ہوگی ـــ اچھا اگر عدمِ تمثّل کو صُورتِ خاصۂ آنسرورِ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مخصوص نہ بھی کریں جیسا کہ بہت سے عُلماء نے مخصُوص نہیں کیا اور مناسبِ رفعتِ شانِ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی یہی ہے کہ مخصُوص نہ کیا جائے تو پھر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اس دیکھی ہُوئی صورت سے احکام حاصل کرنا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ـــــ اور غیر پسندیدہ باتوں کا معلوم کرنا مشکل ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دشمنِ لعین (شیطان) درمیان میں آگیا ہو اور خلافِ واقع کو واقع بتارہا ہو اور شُبہہ میں ڈال کر اپنی عبارت و اشارت کو اس ذاتِ عالی کی عبارت و اشارت بتا رہا ہو یعنی بموجب حدیث آپ کو خواب میں دیکھا تو واقعی آپ ہی کو دیکھا، مگر خواب کے کلام اور اشارات کو تعلیماتِ محمدّیہ اور شریعت مُطہّرہ کے مطابق کرکے دیکھا جائے گا، اگر وہ اس قانُون کے مطابق ہے جو صحابہ کرام کے ذریعے سے دُنیا میں اشاعت پذیر ہُوا تو قابلِ تسلیم ہے، ورنہ مخالفتِ قانُونِ شریعت کی صُورت میں وہ قابلِ قبول نہ ہوگا۔ خود حدیث میں بھی رؤیت کے حق ہونے کو فرمایا گیا ہے، کلام کے بارے میں نہیں فرمایا گیا کہ ایسے خواب کا ہر مسموُع کلام حق ہے) . . . حالتِ خواب حوَاس کے معطل ہونے کی حالت ہے اور التباس و اشتباہ کا محل بھی ہے، علاوہ ازیں خواب کے عالم میں انسان تنہا ہوتا ہے پھر یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ وہ خواب (ہر حیثیّت سے) تصرفِ شیطان اور تلبیس ابلیس

سے محفوظ ہے ؟ ــــــ یا یُوں کہا جائے گا کہ چونکہ (مولود میں) قصائدِ نعت پڑھنے اور سُننے والوں کے ذہنوں میں یہ بات پہلے سے بیٹھی ہُوئی تھی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اس عمل سے راضی ہوں گے جیسا کہ دُنیا کے ممدوح اپنے مدح گویوں سے راضی ہوتے ہیں اور یہ بات اُن کی قوّتِ متخیلہ میں نقش تھی، اس لیے ہوسکتا ہے کہ خواب میں اُنھوں نے اپنی صُورتِ متخیلہ کو دیکھا ہو اور اس خواب کی نہ کوئی حقیقت ہو اور نہ وہ (شیطان لعین) کا تمثل ہو ــــ اس کے علاوہ (اگر وہ خواب سچی ہو تو) سچّی خواب کبھی ظاہر پر محمول ہوتی ہے اور اس کی حقیقت وہی ہوتی ہے جس کو دیکھنے والے نے دیکھا ہے، مثلاً زید کی صُورت کو خواب میں دیکھا اور مراد بھی حقیقتِ زید ہی ہو، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر سے پھیر کر اُس کی تعبیر لی جاتی ہے، مثلاً صورتِ زید کو خواب میں دیکھا ہے اور اُس سے مراد عمرو ہو، اُس علاقہ و مناسبت کی بنا پر جو زید و عمرو کے درمیان میں ہے ــــ پس یہ خواب ہائے مذکورہ جن کو دوستوں نے دیکھا ہے ــ کہاں سے معلوم ہُوا کہ ظاہر ہی پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھیری ہُوئی نہیں ہیں۔ یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ ان خوابوں کی کوئی دوسری تعبیر ہو اور وہ خوابیں دوسرے امور کی طرف کنایے ہوں اس صورت میں تمثل شیطانی کی گنجائش ماننے کی بھی ضرورت نہیں۔

الغرض (محض) خوابوں پر ہی بھروسہ نہ رکھنا چاہیے۔ خارج میں اشیاء موجود ہیں۔ کوشش کی جائے کہ ان اشیاء کو بیداری میں دیکھیں کہ یہ صورت شایانِ اعتماد ہے اور اس میں تعبیرات کی ضرورت بھی نہیں پیش آتی۔ جو خواب وخیال میں دیکھا جائے گا وہ خواب وخیال ہی ہے، خانقاہِ دہلی کے دوست مُدّت سے اپنی ایک روش پر زندگانی گزار رہے ہیں۔ خیر اُن کو اختیار ہے مگر میر محمد نعمان کو تو تعمیل حکم کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اگر میرے منع کرنے کے بعد وہ ایک لمحہ بھی توقف کریں گے تو اللہ تعالیٰ (پناہ میں) رکھے (اُن کے لیے خاص طور پر ضرر کا اندیشہ ہے) اگر فرض کرو وہ بھی توقف کریں گے تو ضرر کسے پہنچے گا؟ فقیر جو اتنے مبالغے کے ساتھ منع کر رہا ہے اس کی وجہ بھی ہے کہ اس صورت میں اپنے طریقے کی مخالفت ہے ــــ طریقے کی مخالفت خواہ سماع و رقص کے ساتھ ہو خواہ مولود و شعرخوانی کے ساتھ دونوں برابر ہیں ــــ ہر طریقے میں ایک مطلبِ خاص تک پہنچنا ہوتا ہے۔ ہمارے اس طریقے میں مطلبِ خاص تک پہنچنا ان مذکورہ اُمور

کے چھوڑنے پر موقوف ہے جس کسی کو ہمارے اس طریقے کی طلب مقصود ہو اس کو چاہیے کہ اس طریقے کی مخالفت سے اجتناب کرے ... بستی فیروز آباد (دہلی) جو ہم فقراء کا ملجا اور ماویٰ ہے اور ہمارے پیرومُرشد کا مرکز ــــ اس میں اگر کوئی ایسی بات پیدا کی جائے جو اس طریقے کے مخالف ہو تو ہم فقراء کے لیے یہ امر باعث تشویش و اضطراب ہے ــــ مخدوم زادگان (خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ) اپنے والد بزرگوار کے طریقے کو محفوظ رکھنے کے لیے زیادہ ذمہ دار ہیں ــــ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے صاحبزادوں نے اپنے والدِ بزرگوار کے طریقے میں تغیّر آجانے کے بعد اُن کے اصل طریقے کی محافظت کی اور تغیّر و تبدّل کرنے والوں سے مجادلہ کیا، چنانچہ آپ نے بھی اُس کو سُنا ہوگا۔

آپ نے ہمارے حضرت خواجہؒ کے مشرب کے متعلّق بھی کچھ لکھا تھا ــــ ہاں شروع شروع میں اُنھوں نے بعض اُمور میں مشربِ ملامتیہ کی رعایت کرکے سہل پسندی سے کام لیا ہے اور ملامت کو ترجیح دے کر بعض معاملات میں ترکِ عزیمت (ترکِ اولیٰ) کو اختیار کیا ہے، لیکن آخر میں ان باتوں سے اجتناب کرتے تھے اور ملامت و ملامتیہ سے اُن کا کوئی تعلّق نہ تھا ــــ از روئے انصاف فرمائیے اگر بالفرض حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) اُس وقت دُنیا میں موجود ہوتے اور یہ مجلس (مولودخوانی)[1] منعقد ہوتی تو کیا وہ اس امر سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند فرماتے؟ فقیر کو تو یقین ہے کہ وہ ہرگز اس امر کو جائز نہ رکھتے، بلکہ وہ اس سے منع فرماتے ــــ مقصودِ فقیر اطلاع کرنا ہے، میری بات کو قبول کیجیے یا نہ کیجیے ... اگر مخدوم زادگان اور وہاں کے احباب اسی موضوع پر قائم رہے، تو ہم فقیروں کو اُن کی صُحبت سے محرومی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ ... والسّلام اوّلاً و آخراً۔[2]

---

[1] مکتوبات جلد ثالث کے ایک مکتوب کے اندر اسی سلسلے میں خواجہ حسام الدین احمدؒ کو زوردار طریقے پر آخری بات تحریر فرماتے ہیں مخدوما بخاطر فقیر می رسد کہ تا مطلق ایں باب را مسدود نہ کنند بوالھوساں ممنوع نہ گردند (یعنی جب تک اس قسم کی مجلس کا دروازہ مطلقاً بند نہ کیا جائے گا بوالھوس باز نہیں آئیں گے۔)

[2] ماخوذ از تجلیاتِ ربّانی ترجمہ و تلخیص مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ حصّہ اوّل ص: ۱۶ تا ۲۰

(قسط: ۲)

تحقیق مسئلہ ایصالِ ثواب

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی، لکھنؤ، بھارت

"زندوں کے اُن اعمالِ خیر سے مُردوں کا انتفاع جن کی فعلیت کا کسی طرح یہ مُردے ذریعہ بنے ہوں"۔

دُعا و استغفار کے علاوہ زندوں کے جن اعمال سے مُردوں کا منتفع ہونا دلائلِ شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے، ان کو ابتداً ان دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ اعمال جن کا سبب کسی حیثیّت سے یہ مُردے بنے ہوں۔ دوسرے وہ اعمال جن کی حیثیّت یہ نہ ہو۔

اس مبحث دوم میں صرف پہلی قسم کے اعمال کے متعلّق چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

صحیح مُسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ۔" (مسلم ج ۲ ص ۴۱)

آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کے سارے سلسلے منقطع ہو جاتے ہیں بجز ان تینوں سلسلوں کے ایک وہ صدقہ جاریہ جو اپنی حیات میں وہ کر گیا۔ دوسرے علم کا کوئی ایسا سلسلہ جس سے لوگوں کو فیض پہنچتا رہا ہے اور تیسرے اولاد صالح جو اس کے لیے دُعا خیر کرتی رہے۔ (یعنی یہ تین سلسلے یا اُن میں سے ایک دو بھی اگر مرنے کے بعد کوئی خوش نصیب چھوڑ گیا ہے تو اُن سے اس کو برابر ثواب اور نفع پہنچتا رہے گا۔

مثلاً ایک شخص نے کسی کو دین سکھایا، اُس کے بعد یہ سکھانے والا مر گیا۔ پھر اُس کے اُس شاگرد نے بہت سے لوگوں کو دین سکھایا اور علیٰ ہٰذا اس کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو سینکڑوں ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی یہ علمی فیض اگر جاری رہے گا تو اس معلّم اوّل

کو بھی اُس کے ثواب کا حصّہ ملتا رہے گا، حالانکہ بعد میں اس تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھنا ظاہر ہے کہ اس پہلے شخص کا ذاتی عمل نہ ہوگا، لیکن اس سلسلۂ خیر میں چونکہ یہ ایک واسطہ بنا تھا اس لیے اس سلسلہ کا ثواب اس کو برابر ملتا رہے گا۔ یہی حال صدقہ جاریہ کا بھی ہے۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری حدیث اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ وَمُصْحَفًا وَّرَّثَهٗ وَمَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَیْتًا لِابْنِ السَّبِیْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا عَنْ مَّالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَیَاتِهٖ یَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ (ابنِ ماجہ ص ۲۲)

"مومن کو اس کے جن اعمالِ حسنہ کا ثواب اور نفع مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے وہ یہ ہیں وہ علمِ دین جس کو وہ سکھا گیا اور پھیلا گیا، اور وہ نیک اولاد جس کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا یا قرآن مجید کا نسخہ جو اُس نے اپنی میراث میں چھوڑا یا مسجد یا مسافر خانہ یا نہر (تالاب۔ کنواں) جو خلقِ خدا کی نفع رسانی کے لیے اپنی زندگی میں وہ بنوا گیا یا کوئی اور صدقہ جس کو اُس نے اپنی حیات اور صحت کی حالت میں نکالا تھا۔ (اور خلقِ خدا کو بعد میں بھی اُس سے نفع پہنچتا رہا) تو اُس کا ثواب مرنے کے بعد بھی اُس کو پہنچتا رہے گا۔"

اور صحیح مسلم میں جریر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَیِّئَةً كَانَ عَلَیْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْءٌ (مسلم ج ۲ ص ۳۴۱)

"جس نے اسلام میں نیکی کا کوئی طریقہ کھولا اور خیر کے کسی باب کا افتتاح کیا تو اُس

کو اپنی اس نیکی کا ثواب بھی ملے گا اور اُس کے بعد جو اور لوگ اس پر عمل کریں گے اُن کے عمل کا بھی اجر و ثواب اس کو ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان عاملین کے ثواب میں سے کچھ کمی کی جائے اور علیٰ ہذا اسلام میں جس نے کسی بدی کا راستہ کھولا تو اُس کو اپنی اس بدی کی سزا دی جائے گی اور اُس کے بعد جتنے لوگ بھی اس بُرائی کو اختیار کریں گے، اُن سب کے گناہوں کا بوجھ بھی اُس پر ڈالا جائے گا۔ بغیر اِس کے کہ اُن کے اپنے بوجھوں میں کوئی کمی کی جائے"۔

اہلِ علم کو معلوم ہوگا کہ جریر بن عبداللہ کی اس روایت کے علاوہ بھی اس مضمون کی متعدد حدیثیں کُتب صحاح میں مروی ہیں، بلکہ یہ دعوٰی بھی انشاء اللہ غلط نہ ہوگا کہ احادیث میں یہ مضمون "حدِ شہرت" کو پہنچا ہُوا ہے، لیکن چونکہ منکرین وصول ثواب کی اس نوع کے عموماً قائل ہی نہیں اس لیے اس بحث کو طول دینا مناسب نہ ہوگا۔ اس باب کا اتنا ذکر بھی صرف مسئلہ کے استیعاب اور اطراف و جوانب کے احاطہ کے لیے کر دیا گیا ہے۔

مبحثِ سوم

زندوں کے جن ایسے اعمال سے مُردوں کو نفع یا ثواب پہنچنا نصوص شرعیہ سے معلوم ہُوا ہے جن کی فعلیت کا کسی حیثیت سے بھی وہ مُردے سبب اور ذریعہ نہ بنے ہوں، اُن میں سے ایک تو وہ دُعا و استغفار ہی ہے جس کا ذکر مَبحثِ اوّل میں کیا جا چُکا ہے، اور علاوہ اُن آیات و احادیث کے جن کی طرف وہاں اشارات کیے جا چکے ہیں

اُس کی ایک واضح ترین اور فعلی دلیل صحیحین کی وہ حدیث بھی ہے جس میں بیان ہُوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر ہُوا جن کے متعلق آپ کو منکشف ہوا کہ ان کے مدفون مُردوں پر عذاب ہو رہا ہے[1] آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ہر ایک میں ایک ایک گاڑھ دیا اور جب بعض رفقاء نے آپ سے پُوچھا کہ یہ آپ نے کس لیے کیا تو فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری ہی کی ایک روایت ہے کہ آپ نے اُن مُبتلائے عذاب مُردوں کی آواز سُنی۔ ۱۲

لَعَلَّہٗ یُخَفَّفُ عَنْھُمَا مَالَمْ یَیْبِسَا (بخاری، مسلم، عن ابی عباسؓ)

"اُمید ہے کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔"

اور صحیح مُسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اِن معذّبین کے لیے تخفیفِ عذاب کی دُعا فرمائی تھی جو اس طور پر قبول کی گئی کہ تم ایک تر شاخ کو اِن قبروں پر نصب کر دو جب تک وہ تر رہے گی ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ بہرحال صحیحین کی اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ زندوں کی دُعا و استغفار اور اُن کے کسی عمل سے مُردوں کو نفع پہنچنے کا تجربہ اس عالم میں بھی خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ سے ہو چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ کی اس حدیث کے علاوہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح مُسلم میں قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے جس کے متعلّق بعض خاص قرائن کی بُنیاد پر حافظ ابن حُجر کی رائے یہ ہے کہ وہ اس کے علاوہ اسی قسم کا دُوسرا ایک واقعہ ہے[1]۔

○

دُعا و استغفار کے علاوہ زندوں کے جن ایسے اعمال و افعال سے مردوں کو نفع مند ہونا نصوص شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے، جن کا سبب کسی طرح اور کسی حیثیّت سے بھی مُردے نہ ہوئے ہوں۔ وہ صدقات و خیرات اور دوسری عبادات کے ذریعہ ایصالِ ثواب کی صورتیں ہیں اور چونکہ زیادہ تر انکار آج کل ان ہی صُورتوں کا کیا جا رہا ہے۔ اس لیے اس کو کسی قدر بسط و تفصیل سے لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے

مبحثِ چہارم

جن طاعات و خیرات کے ذریعہ مردوں کو نفع پہنچانے (اور باصطلاحِ معروف ایصالِ ثواب کرنے کا ارادہ کیا جائے ان کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں، یا تو وہ محض مالی ہیں (جیسے صدقہ، خیرات، قربانی وغیرہ) اور یا محض بدنی ہیں، یعنی ان میں پیسہ تو کوئی خرچ کرنا نہیں پڑتا، البتّہ

---

[1] فتح الباری جزء اوّل ص ۱۵۹ باب من الکبائر ان لایستتر من البول۔ ۱۲

جسم وجان کو کچھ محنت ومشقّت برداشت کرنی پڑتی ہے (جیسے روزہ نماز، تلاوتِ قرآنِ پاک اور ذکر اللہ وغیرہ) اور یا ان دونوں سے مرکّب ہیں جیسے کہ حج، کہ اس میں روپیہ پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے اور اس کے ارکان کی ادائیگی میں دَوڑ دُھوپ کی مشقّت بھی اُٹھانی پڑتی ہے۔

بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تینوں قسم کی عبادات کے ذریعے فوت شُدہ مومنین کو (بلکہ بعض صورتوں میں زندوں کو بھی) نفع اور ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔

عباداتِ مالیہ کے ذریعہ ایصالِ ثواب

سب سے پہلے ہم خالص مالی عبادات کو لیتے ہیں۔ ① صحیح مُسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبِیْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَّلَمْ یُوْصِ فَهَلْ یُكَفِّرُ عَنْهُ (وَضَبَطَ بَعْضُهُمْ فَهَلْ یَكْفِیْ عَنْهُ) اَنْ اَتَصَدَّقَ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ۔[1]

"ایک شخص آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے دریافت کیا کہ میرے باپ کا انتقال ہوگیا ہے اور اپنے ترکہ میں اُنہوں نے مال چھوڑا ہے اور کوئی وصیّت نہیں کی ہے تو اگر مَیں اُن کی جانب سے کچھ صدقہ خیرات کر دوں تو کیا میرا یہ صدقہ اُن کے لیے کفایت ہو جائے گا؟ یا مطلب یہ ہے کہ کفّارہ ہو جائے گا؟) آپ نے فرمایا کہ ہاں۔

یہ حدیث اثباتِ مُدّعا کے لیے کسی توضیح و تقریر کی محتاج نہیں۔ ایک شخص مرگیا ہے اُس نے کوئی وصیّت بھی نہیں کی ہے جس کے بعد قانُون شرعی کے مطابق اس کا متروکہ مال وارثوں کی طرف منتقل ہوگیا۔ اَب اُس کا لڑکا پُوچھتا ہے کہ مَیں اگر اپنے مرحوم باپ کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کروں تو یہ اُن کے لیے کفّارہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ ہاں یہ ہوسکتا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الوصیۃ (ج ۲ ص ۴۱) ۱۲

(۲) اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ میرے دادا عاص بن وائل نے سو اُونٹوں کی قربانی کی نظر مانی تھی (جس کو وہ پُورا نہ کر سکے) تو اُن کی طرف سے اُن کے ایک بیٹے ہشام بن عاص نے پچپن اُونٹ ذبح کیے۔ پھر (میرے والد) عمرو بنؓ عاص نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا (غالباً سوال کا منشاء یہ تھا کہ اگر بقیہ پینتالیس اُونٹ میں اُن کی طرف سے قربان کر دوں تو کیا اس سے اُن کو کچھ نفع ہوگا؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

اَمَّا اَبُوْكَ فَلَوْ اَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهٗ ذَالِكَ [۱]

"تمہارے باپ اگر لا الٰہ الا اللہ کے ماننے والے ہوتے (یعنی مومن ہوتے) اور پھر تم اُن کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ وخیرات کرتے تو اُس سے اُن کو نفع ہوتا۔"

(۳) اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

اِنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوْصِ وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ اَفَلَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ [۲]

"ایک شخص خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہُوئے اور اُنہوں نے عرض کیا کہ میری والدہ اچانک انتقال کر گئیں اور اُنہوں نے کوئی وصیّت نہیں کی ہے اور میرا گمان ہے کہ اگر اُنہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ کچھ صدقہ کر جاتیں، تو اَب اگر مَیں اُن کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کروں تو کیا اُن کو ثواب پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں!"

بعض شارحینِ حدیث کو اگرچہ شُبہ ہُوا ہے کہ یہ سوال کرنے والے صحابی سعد بن عبادہؓ ہی تھے جن کے واقعہ کا ذکر آگے آرہا ہے، لیکن قرائن سے علّامہ بدرالدین عینی شارح بخاری کی یہ رائے

---

[۱] کتاب الروح الابن القیم ص ۱۹۲ بحوالہ مسند احمد ۱۲

[۲] صحیح بخاری باب مایستحب لمن یتوفی فجاۃ ان یتصدقوا عنہ ج ۱ ص: ۳۸۶ صحیح مسلم باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ ص ۳۲۴ ج ۱ واللفظ لمسلم۔

زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ سعدؓ کے علاوہ اور کوئی دوسرے صحابہ ہیں اور یہ دوسرا واقعہ ہے واللہ اعلم۔ اور صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت سعدؓ کا واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس طرح مروی ہے:

(۴) اِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَخَا بَنِیْ سَاعِدَةَ تُوُفِّیَتْ اُمُّہٗ وَھُوَ غَائِبٌ عَنْھَا فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْھَا فَھَلْ یَنْفَعُھَا شَیْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِہٖ عَنْھَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّیْ اُشْھِدُکَ اَنَّ حَائِطِی الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَیْھَا [1]

"کہ سعد بن عبادہ کی غیبت میں اُن کی والدہ کی وفات ہوگئی[2] تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عدم موجدگی میں میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا اگر میں اُن کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو یہ اُن کے لیے نافع ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! تو اُنہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ "مخراف" میری ماں کی طرف سے صدقہ ہے۔"

نیز صحیح بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کی ایک دوسری روایت اسی سلسلہ میں یہ بھی ہے:

(۵) اِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اِسْتَفْتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّیْ مَاتَتْ وَعَلَیْھَا نَذْرٌ فَقَالَ اقْضِہٖ عَنْھَا" [3]

"کہ سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا کہ میری والدہ فوت ہوگئی اور اُن کے ذمّہ ایک نذر تھی (جس کو وہ ادا نہیں کرسکیں تو

---

[1] صحیح بخاری باب الاشھاد فی الوقف والصدقة والوصیة ج:۱ ص:۳۸۷

[2] حضرت سعد کی والدہ کا نام عمرہ تھا۔ ۵ھ میں ان کی وفات ایسے وقت ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم غزوہ خندق کے سلسلہ میں مدینہ سے باہر تھے اور اُن کے بیٹے سعد بن عبادہ بھی آپ کے ساتھ غزوہ ہی میں تھے۔ (فتح الباری، عمدة القاری) ۱۲

[3] صحیح بخاری باب یستحب لمن توفی فجاءة ان یتصدقوا عنہ وقضاء النذور عن المیت۔ ج:۱ ص:۳۸۷

کیا مَیں اُن کی طرف سے اس کو ادا کرسکتا ہوں؟ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہاں! تم اُن کی طرف سے اس نذر کو ادا کر دو۔" [1]

واضح رہے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی تناقض اور تعارض نہیں ہے، واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ تو صدقہ کے متعلّق سوال کیا تھا جس کا ذکر پہلی روایت میں ہے اور دوسری دفعہ نذر کے بارے میں دریافت کیا تھا جس کا ذکر دوسری روایت میں کیا گیا ہے۔

⑥ ایک تیسری روایت اس بارے میں اور بھی وارد ہوئی جس میں مذکور ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا ہے تو اُن کی طرف سے کون سا صدقہ زیادہ بہتر اور افضل ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا "اَلْمَاءُ" (یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے پانی کا انتظام کرنا، چنانچہ حضرت سعدؓ نے ایک کنواں تیار کرا کے اپنی والدہ کی طرف سے اس کو وقف عام کر دیا۔ [2]

یہ روایت سنن نسائی و ابی داؤد میں خود حضرت سعدؓ ہی سے مروی ہے، لیکن اس کی اسناد میں ایک انقطاع [3] ہے، تاہم صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایات سے متعارض یہ بھی نہیں

---

[1] سنن نسائی کی ایک روایت سے اس نذر کے متعلّق یہ تفصیل بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ نذر غلام آزاد کرنے کی تھی اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت سعد کو اُن کی طرف سے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ (فتح الباری)

[2] اس حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس کے راوی حسن بصریؒ نے یہ حدیث سُناتے وقت اپنے شاگردوں سے کہا کہ "فَتِلْكَ سِقَايَةُ آلِ سَعْدٍ بِالْمَدِيْنَةِ" (مدینہ میں "سقایۃ آلِ سعد" کے نام سے پانی کی جو سبیل ہے یہ دراصل وہی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد نے اپنی والدہ کی جانب سے جو کنواں وقف کیا تھا بعد میں وہی "سقایہ آلِ سعدؓ" کے نام سے بھی مشہور تھا۔ حضرت حسن بصریؒ کی اس شہادت کے بعد ظاہر ہے کہ اس حدیث کا استنادی درجہ کچھ اور بڑھ رہا ہے۔ ۱۲

[3] سنن نسائی اور ابی داؤد میں سعد بن عبادہؓ سے اس حدیث کو روایت کرنے والے سعید بن المسیبؒ اور حسن بصریؒ ہیں حالانکہ حضرت سعد بن عبادہ کی وفات کے وقت بھی یہ دونوں صاحبان سن شعور کو نہیں پہنچے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان کے ایک راوی کا نام ذکر سے رہ گیا ہے۔ اسی کو اصطلاح محدّثین میں انقطاع کہتے ہیں۔ ۱۲

ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضرت سعد نے اپنے باغ مخراف کے علاوہ اپنی والدہ کی طرف سے کنواں بھی وقف کیا ہو، جس طرح آج بھی لوگ اپنے ماں باپ کی طرف سے انواع واقسام کے صدقات و خیرات کے ذریعے ایصالِ ثواب کرتے رہتے ہیں۔

ایصالِ ثواب کے بعض منکرین، اِن روایات کے اس اختلاف کو اصطلاحی "اضطراب" قرار دے کر حدیث کو ناقابلِ احتجاج قرار دینے کی کوشش کرتے بھی دیکھے گئے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن حضرات نے "اضطراب فی المتن" کی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں فرمائی ہے۔ یہاں اضطراب کا دعویٰ اس وقت چل سکتا ہے جبکہ یہ سارے سوال وجواب جو مندرجہ بالا تینوں حدیثوں میں مذکور ہیں

ایک ہی مجلس کے ایک ہی سوال وجواب کے متعلق راویوں کے مختلف بیانات ہوں، لیکن جبکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر اس کو "اضطراب" قرار دینا اُصولِ فن سے ناواقفی کی ہی دلیل ہے۔ اس میں کوئی استحالہ بلکہ استبعاد بھی نہیں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے مختلف دفعات میں یہ سوالات کیے ہوں اور جوابات پا کر اُن کی تعمیل کرتے رہے ہوں۔ غرض یہ تینوں روایتیں جیسا کہ اُن کے مضمون سے ظاہر ہے الگ الگ مستقل حدیثیں ہیں۔ وَ مَنِ ادّعیٰ خِلَافَہٗ فَعَلَیْہِ الْبَیَانُ۔

تبدیلیٔ ٹیلی فون نمبر

حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمدؐ صاحب دامت برکاتہم، خانقاہ سراجیہ، کُندیاں شریف، میانوالی کا ٹیلی فون نمبر تبدیل ہوگیا ہے۔ نیا نمبر ۳۱۶۰۴، کوڈ ۰۴۵۹ ہے۔

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت حافظ محمد یعقوب صاحب خادمُ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے، خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ (ادارہ)

مولانا محمدؐ عرفان صاحب
فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

الدّاعی الکبیر

بانی تبلیغی جماعت

حضرت مولانا محمدؐ الیاس رحمۃ اللہ علیہ

ولادت آپ کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام اختر الیاس ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمدؐ اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک نیک طینت جیّد عالمِ دین گمنامی و عزلت پسند اور ایک عبادت گزار شخص تھے۔ اپنی عبادت اور تقوٰی کو اس قدر پوشیدہ رکھتے تھے کہ جس طرح انسان اپنے عیوب کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ حتّٰی کہ بہت سے لوگوں کو آپ کے مرتبہ کا اس وقت احساس ہوا جب آپ کے مستجاب الدعوات (یعنی وہ شخص جسکی دعاء فی الفور قبول ہوتی ہوئی دیکھی جائے) ہونے کا اُن کو ذاتی تجربہ ہوا۔ شہر دہلی کے باہر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کے قریب "چونسٹھ کھمبہ" سے موسوم سُرخ پھاٹک پر واقع ایک عمارت میں رہتے تھے، آپ کا آبائی وطن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر تھا، البتّہ کاندھلہ میں نکاح ثانی کر لینے کی وجہ سے کاندھلہ بھی خاصی آمد و رفت رہتی تھی، کاندھلہ اور جھنجھانہ کا یہ خاندان صدّیقی شیوخ و بزرگانِ دین کا بہت ہی ثقہ اور معتبر گھرانہ تھا جس میں علم و عمل، فقاہت و دینداری پشت ہاپشت سے چلی آرہی تھی۔ میوات سے کچھ اس طرح تعلّق ہوا کہ ایک مرتبہ مولانا محمدؐ اسمٰعیل صاحب اس فکر و تلاش میں نکلے کہ کوئی مُسلمان آتا جاتا نظر پڑے تو اس کو مسجد میں لے آئیں اور اُس کے ساتھ جماعت سے نماز ادا کریں، چنانچہ چند مسلمان نظر آئے تو اُن سے پُوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ مزدُوری کے لیے، فرمایا کیا مزدُوری ملے گی؟ اُنھوں نے مزدُوری بتادی فرمایا اگر اتنی مزدُوری یہیں مل جائے تو پھر جانے کی کیا ضرورت؟ اُنھوں نے منظور کر لیا، آپ اُن کو مسجد میں لے آئے اور قرآن و نماز کی تعلیم شروع کر دی اور یومیہ مزدُوری اُن کو دے دیا کرتے

کچھ دنوں کے بعد اُن کو نماز کی عادت پڑ گئی اور مزدوری چھوٹ گئی۔ یہ بنگلہ والی مسجد کے مدرسہ کی بُنیاد تھی اور یہ پہلے طالب علم تھے اس کے بعد دس بارہ میواتی طالب علم مدرسہ میں رہتے اور ان کا کھانا مرزا الٰہی بخش صاحب (آپ کے ملنے والے) کے یہاں سے آتا تھا۔ مولانا محمدؒ اسمٰعیل صاحبؒ نے ۴ شوال ۱۳۱۵ھ بمطابق ۲۶ فروری ۱۸۹۸ء میں وفات پائی۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی والدہ محترمہ "بی صفیہ" بڑی جید حافظہ تھیں۔ قرآن مجید شادی کے بعد مولانا محمدؒ یحییٰ صاحب (مولانا محمدؒ الیاسؒ کے بھائی) کی شیر خوارگی کے زمانہ میں حفظ کیا تھا اور ایسا اچھا یاد تھا کہ معمولی حافظ تو اُن کے مقابلہ میں ٹھہر ہی نہ سکتا تھا، رمضان المبارک میں روزانہ ایک قرآن شریف اور دس پارہ پڑھنے کا معمول تھا۔ اس طرح ہر رمضان میں چالیس قرآنِ مجید ختم کیا کرتی تھیں۔

بچپن: مولانا محمدؒ الیاس صاحبؒ کا بچپن آپ کے ننہال کاندھلہ اور والد صاحبؒ کے پاس نظام الدّین میں گزرا، اس وقت کاندھلہ کا یہ خاندان دینداری کا گھوارہ سمجھا جاتا تھا مرد تو مرد عورتوں کی دینداری عبادت گزاری، شب بیداری، ذکر و تلاوت کے قصّے بہت سوں کی زبانوں پر تھے۔ ذکر و تسبیح کے یہ واقعات کچھ اس قسم کے ہیں کہ آج کل اُن کا تصوّر بھی خاصا مشکل نظر آتا ہے۔ علم دین کے سُننے سُنانے اور حاصل کرنے کا اس خاندان کی خواتین میں ایسا جذبہ تھا کہ قرآن مجید پڑھ پڑھ کر مزے لیتیں اور نماز میں ایسا استغراق اور محویّت کی کیفیت ہوتی کہ بعض اوقات بعض بیبیوں کو کسی کے آنے جانے تک کی نہیں ہوتی تھی۔ قرآن شریف مع ترجمہ و اردو تفسیر، "مظاہرِ حق" "مشارق الانوار" حصنِ حصین" یہ خواتین کا منتہیانہ نصاب تھا گھر میں عام طور پر بیبیاں نوافل میں اپنے طور پر قرآن شریف پڑھتی تھیں اور محرم مردوں کے پیچھے گھروں میں نوافل میں قرآن سنتی تھیں، رمضان المبارک میں تو قرآنِ پاک کی ایک عجیب بہار ہوتی تھی۔

"مکتبی تعلیم اور بچپن کا رنگ"

خاندان کے دیگر عزیز بچّوں کی طرح آپ نے بھی قرآن شریف پڑھنے اور مکتب کی ابتدائی تعلیم میں حصّہ لیا اور خاندانی دستور کے مطابق قرآن شریف حفظ کر لیا۔ آپ کے خاندان میں قرآنِ پاک

حفظ کرنے کا ایسا عام رواج تھا کہ مسجد کی ڈیڑھ صف تک کوئی غیر حافظ نہ ہوتا تھا۔ شوال ۱۳۱۱ھ میں آپ کے منجھلے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب رح قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنگوہ چلے گئے اور وہیں قیام اختیار کر لیا۔ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد کے پاس نظام الدین اور کبھی ننہال کاندھلہ میں رہا کرتے تھے نظام الدین میں والد صاحب کی شفقت اور کثرتِ مشاغل کی وجہ سے مولانا الیاس صاحب رح کی تعلیم کا سلسلہ جیسا چلنا چاہیے تھا۔ ویسا چل نہیں رہا تھا، تو بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب رح نے والد صاحب رح سے عرض کیا کہ تعلیم معقول نہیں ہو رہی ہے میں ان کو اپنے ساتھ گنگوہ لے جاتا ہوں والد صاحب نے اجازت دے دی، چنانچہ آپ بھائی کے ہمراہ ۱۳۱۴ھ گنگوہ تشریف لے آئے اور بھائی سے پڑھنا شروع کر دیا۔ گنگوہ اس وقت علما اور صلحاء کا مرکز و محور تھا۔ مولانا محمد الیاس صاحب رح کو حضرت گنگوہی رح کی صحبت و مجالس کی دولت شب و روز حاصل رہی۔ دینی جذبات کی پرورش۔ نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں، مولانا محمد الیاس صاحب رح کی روحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا۔ انسان کی زندگی میں ماحول و مقام کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہو سکتا ہے مولانا کا وہ زمانہ اکابر کی محافلِ روحانیہ میں گزرا، جب آپ گنگوہ تشریف لائے تھے تو دس گیارہ برس کے بچے تھے اور ۱۳۲۳ھ میں جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کو وفات ہوئی تو بیس۲۰ سال کے نوجوان تھے۔ گویا دس برس کا عرصہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزرا۔ آپ کے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب رح ایک کامل استاد ہونے کے ساتھ ساتھ باکمال مُربّی بھی تھے آپ اس بات کا خاص اہتمام فرماتے تھے کہ ہونہار بھائی بزرگوں کی صحبت اور مجالس سے پورے طور پر مستفید ہو، چنانچہ خود مولانا محمد الیاس صاحب رح فرماتے ہیں" کہ جب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی جان (یعنی مولانا یحییٰ صاحب) میرا درس بند کر دیتے اور مجھ سے فرماتے، اب تمہارا درس یہ ہے کہ ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور اُن کی باتیں سنو۔

زمانہ طالب علمی میں علم کے ساتھ آپ کا شغف

آپ ابتدا ہی سے نحیف البدن اور بہت کمزور تھے، گنگوہ میں قیام کے زمانہ میں آپ کی صحت خاصی خراب ہوگئی، دردِ سر کا ایک خاص قسم کا دورہ پڑا جس کی وجہ سے مہینوں سر جھکانا حتّٰی کہ تکیہ پر سجدہ کرنا بھی ناممکن تھا۔ علاج ہوتا رہا۔ پرہیز بھی خوب کیا اس شدید علالت کے بعد دماغی کمزوری کا واقع ہونا ایک لازمی امر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا اور دوبارہ جاری ہونے کی بظاہر کوئی اُمّید نہ رہی، مگر مولانا محمد الیاس صاحب کو تعلیم کے نامکمل رہ جانے کا بڑا ہی غم اور قلق تھا، چنانچہ آپ کا تو پڑھنے پر اصرار تھا، مگر ہمدرد حضرات کا مشورہ تھا کہ آپ مکمل آرام فرمائیں۔ آپؒ خود فرماتے ہیں" ایک روز بھائی (مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ جو کہ اُستاد بھی تھے) نے کہا آخر پڑھ کر ہی کیا کروگے ؟ میں نے کہا آخر جی کر ہی کیا کروں گا۔" اسی اصرار وطلب کی بنا پر آپ کو تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کی اجازت دے دی گئی اور یوں تعلیم دوبارہ جاری ہوگئی۔

تکمیلِ حدیث

۱۳۲۶ھ میں حضرت مولانا الیاس صاحبؒ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے درسِ حدیث میں شرکت کے لیے دیوبند تشریف لے گئے اور بخاری شریف اور ترمذی شریف کی سماعت کی اور پھر اس کے بعد اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے دوبارہ دورۂ حدیث کیا۔

تکمیلِ سلوک

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ نے حضرت شیخ الہند صاحبؒ سے راہِ مقصود طے کرانے کو عرض کی تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کا مشورہ دیا، چنانچہ آپ نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا اور انہیں کی راہنمائی اور نگرانی میں منازلِ سلوک طے کیے۔

عبادت میں انہماک

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز کی وفات کے بعد گنگوہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا محمد الیاس صاحب پر زیادہ تر سکوت اور مراقبہ طاری رہتا تھا۔ شاید سارے

دن میں کوئی ایک بات کرتے ہوں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ہم لوگ اسی زمانہ میں مولانا الیاس صاحبؒ سے ابتدائی فارسی پڑھا کرتے تھے، ان دنوں آپ کا دستور یہ تھا کہ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضے کے پیچھے ایک بوریے پر بالکل خاموش دوزانوں بیٹھے رہتے تھے۔ ہم لوگ حاضر ہوتے اور کتاب اُن کے سامنے رکھ کر انگلی کے اشارہ سے سبق کی جگہ اُن کو بتلاکر سبق شروع کر دیتے تھے اور فارسی شعر پڑھتے تھے اور ترجمہ کرتے تھے جہاں ہم نے غلط پڑھا انگلی کے اشارہ سے اُنہوں نے کتاب بند کر دی اور سبق ختم اس کا مطلب ہوتا کہ دوبارہ مطالعہ کر کے آؤ"۔

ذکر واشغال نوافل وعبادت کے ساتھ شروع ہی سے آپ کے سینے میں مجاہدانہ جذبات و احساسات موجزن تھے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس جذبہ وشوق اور اس عزم وہمّت سے آپ کی زندگی کا کوئی دَور خالی نہیں رہا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔ اِس بیعتِ جہاد اور دیگر حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو اکابر سے خصوصی تعلق تھا۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری مولانا محمود الحسن صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہم یہ حضرات میرے جسم وجان میں بسے ہوئے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی جب وفات ہوئی تو مولانا الیاس صاحبؒ اس وقت بالیں پر موجود تھے اور سورہ یاسین پڑھ رہے تھے۔ آپ کو جب حادثہ کا علم ہوا تو آپ کے قلب پر اس کا اتنا اثر ہوا فرماتے تھے کہ دو ہی غم میری زندگی میں سب سے بڑھ کر ہوئے ہیں۔ ایک والد کا انتقال اور ایک حضرت گنگوہیؒ کی وفات۔

اکابر کو بھی مولانا کی امتیازی خصوصیات کی بناء پر آپ سے خاص لگاؤ تھا، چنانچہ ابتدا ہی سے خاندان کے بزرگوں اور مشائخ وقت کی نگاہ میں خاص عزّت رکھتے تھے اور کم سنی کے باوجود بڑے بڑے معمر آپ کا وقار اور لحاظ کرتے تھے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب (بڑے بھائی) باپ کی جگہ تھے، مگر آپ کا برتاؤ بھی چھوٹے بھائی کے ساتھ ایسا تھا جیسا کہ اپنے کسی بڑے کے ساتھ ہوتا ہے۔ شیوخ واکابر کے حلقہ میں بھی خاص اعزاز کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی وقت اکابر کی موجودگی میں بھی آپ کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا دیا جاتا، چنانچہ ایک مرتبہ کاندھلہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری مولانا خلیل احمد سہارن پوری اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ اسرارہم موجود تھے، نماز کا وقت آگیا تو امامت کے لیے آپ کو بڑھا دیا گیا، مولوی بدرالحسن خاندان کے ایک بزرگ بھی موجود تھے۔ اُنہوں نے ازراہِ ظرافت کہا کہ اتنی بڑی بڑی گاڑیاں اور ایسا ہلکا پھلکا انجن جوڑ دیا کسی نے کہا حضرت یہ تو انجن کی طاقت پر ہے۔

درس وتدریس

شوال ۱۳۲۸ھ میں سہارنپور سے ایک بڑا قافلہ حج کو روانہ ہُوا جس میں مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور کے اکثر بڑے بڑے حضراتِ مدرسین تھے اس موقع پر متعدّد نئے اساتذہ کا تقرر ہُوا، اسی سلسلہ میں مولانا الیاس صاحبؒ بھی نئے مدرسین میں شامل ہُوئے اور درمیانے درجہ کی کتابیں آپ کو دی گئیں۔ حضراتِ حجاج کی واپسی کے بعد دوسرے جدید اساتذہ تو سبکدوش ہوگئے، مگر مولانا بدستور تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے اس کے بعد مظاہرالعلوم کی تدریس کے زمانہ میں اکثر وہ کتابیں پڑھائیں جو پہلے خود بھی نہ پڑھیں تھیں، کیونکہ آپ کے استاذ مولانا محمدؒ یحییٰ صاحبؒ (جو کہ آپ کے بھائی بھی تھے) کے درس میں کتابیں پُوری کرنے کا معمول نہ تھا اور مولانا محمدؒ الیاس صاحب کی بیماری اور مسلسل علالت کی وجہ سے درمیانی کتابیں رہ بھی گئیں تھیں، مگر زمانہ تدریس میں آپ نے یہ کتابیں پڑھائیں، کیونکہ پڑھانے کے زمانہ میں مطالعہ کی طرف آپ کی خصوصی توجہ تھی، چنانچہ آپ "کنز الدقائق" (فقہ حنفی کی مشہور کتاب) کے لیے "البحرالرائق" (کنز کی شرح) "شامی"، "ہدایہ" (فقہ حنفی میں ان دونوں کتابوں کو بہت اُونچا مقام حاصل ہے) دیکھتے تھے اور "نور الانوار" (فقہ حنفی کے اصول پر مشتمل کتاب) کے لیے "حسامی" کی شروح و توضیح تک مطالعہ میں رہتی تھیں۔

نکاح

۶ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ/ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو جمعہ کے دن بعد نمازِ عصر آپ کے حقیقی ماموں مولوی رؤف الحسن صاحبؒ کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہُوا، مولانا محمدؒ صاحب نے نکاح پڑھایا، مجلس نکاح میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری

اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہم اللہ تینوں حضرات بھی موجود تھے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کا مشہور وعظ "فوائد الصحبۃ" جو کہ بارہا طبع ہو چکا ہے وہ اسی تقریب میں کاندھلہ تشریف لے جانے پر اسی دن ہوا۔

پہلا حج

۱۳۳۲ھ میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے حج کا ارادہ فرمایا، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو جب اس کا علم ہوا تو بہت بے قرار ہوئے۔ فرماتے تھے مجھے ان حضرات کے پیچھے ہندوستان تاریک نظر آتا ہے اور یہاں رہنا مشکل نظر آتا ہے، مگر اجازت کا مرحلہ درپیش تھا۔ عجیب کش مکش کی حالت تھی۔ ہمشیرہ نے بے قراری دیکھی تو فرمایا۔ میرا زیور بخوشی لے لو اور چلے جاؤ، اُمید تو نہ تھی کہ والدہ صاحبہ اتنی آسانی سے اجازت مرحمت فرمادیں گی اور اتنی طویل مفارقت اور اتنا دُور دراز کا سفر گوارا کر لیں گی، مگر بحمد اللہ والدہ نے اجازت دے دی، دوسرا مرحلہ بھائی مولانا محمد یحیٰی صاحبؒ کی اجازت کا تھا، انہوں نے یہ سمجھ کر کہ والدہ صاحبہ اجازت نہ دیں گی، معاملہ کو والدہ کی اجازت پر چھوڑ دیا، مگر وہ تو اجازت دے چکی تھیں اس لیے آخری مرحلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ کی اجازت کا تھا، اُن کی خدمت میں خط لکھا اور سامانِ سفر کی تمام صورتیں لکھ دیں۔ آپ نے سفر کی اجازت دے دی یُوں خلافِ اُمید شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی ہمرکابی نصیب ہو گئی۔

مولانا محمد یحیٰی صاحبؒ کی وفات

حج کے دوسرے سال ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ میں مولانا محمد یحیٰی صاحبؒ انتقال کر گئے یہ سانحہ مولانا محمد الیاس صاحب کے لیے بڑا ہی صبر آزما تھا، کیونکہ آپ کے لیے مولانا محمد یحیٰیؒ صاحب جہاں ایک شفیق اُستاد اور بھائی تھے وہیں آپ کے لیے ایک مخلص مربّی بھی تھے اپنی امتیازی خصوصیات اور محبوبیت و مقبولیت کی وجہ سے پُورے حلقۂ احباب کو مولانا محمد یحیٰی صاحبؒ کی وفات کا سخت صدمہ ہوا، مگر مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دل پر اُس کی کچھ ایسی چوٹ لگی کہ جس کا درد آخر تک محسوس ہوتا رہا، بھائی کی وفات کے بعد بعض اوقات اُن کے اوصاف و کمالات کو بیان کرتے ہوئے آپ کو محویت کی حالت میں بھی دیکھا گیا۔

دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

بخدمت گرامیٔ قدر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتکم العالیہ

سود اور سودی کاروبار اور سودی نظام سے متعلق چند اشکالات اور اُلجھنیں ہیں جو مستفتی کو پریشان کیے ہوئے ہیں۔ براہِ کرم اِن کو حل فرمادیں۔

تمہیداً عرض ہے کہ شرعاً سود لینا، سود دینا، سودی معاملہ لکھنا، گواہ بننا وغیرہ سب ناجائز ہیں، مفتیان دین کے فتاوٰی کے پیشِ نظر، بنکوں، ڈاک خانوں، انشورنس وغیرہ کمپنیوں کا کاروبار اور نظام سودی اور ناجائز ہے۔ ساتھ ہی یہ فتویٰ بھی جاری ہوا کہ ان مذکورہ بالا محکموں کے ملازمین اپنی ملازمتیں اس وقت تک نہ چھوڑیں تا آنکہ ملازمت کا کوئی متبادل انتظام نہیں ہو جاتا۔ اب اشکالات مندرجہ ذیل ہیں

(۱) مذکورہ بالا محکموں کے ملازمین دینی اداروں، مساجد اور دیگر نیک کاموں میں چندہ دیتے ہیں تو کیا ان سے چندہ لینا جائز ہے؟

(۲) ان مذکورہ محکموں میں بعض لوگ بڑے دیندار نظر آتے ہیں اور علماء سے محبّت کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں علماءِ کرام کی دعوتیں بھی کرتے ہیں مستفتی نے اپنے سلسلہ کے اکابر کے مُجازینِ بیعت کو ان لوگوں کی دعوتیں قبول کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا ان اشخاص کی دعوتیں قبول کرنا جائز ہیں؟

③ بنک کے ملازمین کو جو مشروط اجازت دی گئی ہے کہ جب تک کوئی دوسری ملازمت نہیں ملتی اس وقت تک بنک وغیرہ کی ملازمت نہ چھوڑیں۔ اس میں (جب تک کوئی دوسری ملازمت نہ ملے) سے کیا مراد ہے؟ آیا بنک کی ملازمت کے معیار کے مطابق کوئی دوسری ملازمت یا اگر کم معیار کی ملازمت بھی مل جائے تو پھر بنک کی ملازمت ترک کر دے؟

④ بعض لوگوں نے سود سے بچتے ہوئے اپنی رقوم بنکوں میں کرنٹ اکاؤنٹ کے نام سے جمع کرا رکھی ہیں جس میں کاروباری حضرات، ملازمت پیشہ، دیندار طبقہ خصوصاً علماء صلحاء۔ دینی اداروں اور مساجد کے فنڈز شامل ہیں۔

اس صورت میں اشکال یہ ہے کہ سود سے بچتے ہوئے مذکورہ بالا اشخاص یا ادارے جو رقم بنکوں میں رکھتے ہیں (جس کی تعداد اربوں تک پہنچ جاتی ہے) بنک یا حکومت امانت کی شکل میں بالکل علیحدہ نہیں رکھتی بلکہ اس ساری رقم کو سود پر لگا کر سود لیتی ہے جو کروڑوں کی تعداد میں جمع ہو جاتا ہے اگرچہ اپنے حصے کا سود مذکورہ بالا اشخاص یا ادارے وصول نہیں کرتے، لیکن اُن کا حصہ حکومت اپنے پاس رکھ لیتی ہے اور پھر حکومت اس سودی رقم کو ناجائز مقامات پر خرچ کرتی ہے، مثلاً فلمی صنعت کی ترقی، ٹی وی اسٹیشن کی توسیع و ترقی، مختلف بے حیائی کے اڈوں اور کلبوں کی تعمیر، دین کے خلاف لٹریچر، دین کی حمایت میں آواز بلند کرنے والے علماء اور دوسرے لوگوں کا قتل، باطل ادیان اور دین کے خلاف سرگرم عمل جماعتوں کو فنڈز مہیا کرنا وغیرہ۔ ذالك

کیا اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مذکورہ بالا اشخاص اور ادارے بنکوں میں کرنٹ اکاؤنٹ کے نام پر بھاری تعداد میں رقوم جمع کرا کر اور اپنے حصے کا سود حکومت کو دے کر حکومت کے ساتھ تعاوُن علی الاثم میں شریک نہیں؟

جبکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

⑤ کیا شرعاً اس بات کی اجازت نہیں کہ مذکورہ بالا اشخاص اور ادارے بنکوں سے اپنے حصے کا سود مسلسل وصول کرتے رہیں، گو اس سودی رقم کو وہ آگ لگا دیں یا کسی طرح بھی ضائع کر دیں لیکن حکومت کے لیے یہ موقع فراہم نہ کریں کہ وہ ان کی رقوم سے کروڑوں کی تعداد میں حاصل ہونے والا سود، بے حیائی اور بے غیرتی کی نشر و اشاعت اور دین اور حاملینِ دین کے خلاف خرچ کرے؟

(۶) ایک شخص کے پاس تھوڑی یا زیادہ سودی رقم ہے تو کیا شرعًا اس کا کوئی مصرف بھی ہے؟ یا ساری کی ساری ضائع کر دی جائے۔ اگر اس کے کوئی مصارف ہیں تو براہِ کرم ان کو بیان فرمادیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب حامدا و مصلیا

۱،۲۔ ڈاک خانوں میں صرف وہ کام ناجائز ہے جو سود سے متعلّق ہے، ڈاک سے متعلق ملازمت بلاشُبہ جائز ہے۔

بنکوں اور انشورنس کمپنیوں وغیرہ میں کام کرنے والوں کی یا تو

(الف) آمدنی کا ذریعہ فقط وہی ملازمت ہوگا، یا

(ب) آمدنی کا ذریعہ اس ملازمت کے علاوہ اور حلال ذریعہ بھی ہوگا مثلاً زمینوں سے پیداوار۔ پھر دوسری حلال آمدنی یا تو زیادہ ہوگی یا اس ملازمت سے حاصل شدہ آمدنی سے کم ہوگی یا اس کے مساوی ہوگی۔

اَب معلوم ہو کہ:

اگر چندہ یا دعوت خالص حلال ذریعہ سے حاصل شدہ آمدنی سے ہو یا مخلوط آمدنی سے ہو جس میں حلال غالب ہو تو یہ دعوت اور چندہ جائز ہے۔

اور اگر چندہ اور دعوت فقط اس ملازمت سے حاصل شدہ آمدنی سے ہو یا مخلوط سے ہو جس میں حرام حلال کے مساوی ہو یا اس سے زائد ہو تو یہ چندہ اور دعوت جائز نہیں۔

(تنبیہ: مخلوط کا یہ مطلب نہیں کہ دعوت و چندہ کے وقت دونوں قسم کی آمدنیوں کو خلط کر کے کرے، بلکہ مراد یہ ہے کہ دعوت و چندہ ایسی رقم میں سے کی جس میں حلال و حرام دونوں مخلوط ہوں اور حلال غالب ہو، اور دعوت و چندہ کی رقم مخلوط میں حلال سے زیادہ نہ ہو۔)

(۳) اصل حکم تو یہ ہے کہ وہ ملازمت فوراً ترک کر دے، لیکن وہ لوگ جن کے بارے میں ڈر ہو یا خود اُن کو اپنے بارے میں ڈر ہو کہ اگر کچھ عرصہ بھی تنگی کے حالات پیش آئے تو وہ برداشت نہ کرتے ہوئے، ردِّ عمل کے طور پر حرام میں اور جَری ہوجائیں گے یا حرام کی حرمت کا انکار کر بیٹھیں گے یا کسی اور فتنہ میں مُبتلا ہوجائیں گے تو اُن کے حق میں اَھْوَنْ یہ ہے کہ

کسی دوسری ملازمت یا کام کی تلاش میں مستقل لگے رہیں اور جب اُن کے گزارہ کے لائق اور کام مل جائے تو تب اس ناجائز ملازمت کو ترک کریں۔ خواہ ملنے والی آمدنی پہلی سے کمتر ہی ہو۔

④ یہ تو صحیح ہے کہ تعاون علی الاثم کی صورت تو بنتی ہے، لیکن مجبوری کی بنا پر جائز ہوگی، مثلاً جبکہ تنخواہ ہی کراس چیک کی صورت میں ملتی ہو یا پیسے کی حفاظت کی کوئی متبادل صورت نہ ہو، لیکن یہ تو عقلمندی نہیں کہ اس کے ساتھ سود کا لین دین بھی کیا جائے، اور سود کی لکھت پڑھت بھی کی جائے جو بذاتِ خود معصیت ہے، پھر جو خرابیاں گنائی گئی ہیں، وہ تو پھر بھی باقی رہتی ہیں کہ بنک والے سارا حاصل شدہ سود تو رقم والے کو نہیں دے دیتے، بلکہ اس میں سے کچھ ہی حصّہ دے کر باقی اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔

⑤ سود کا معاملہ کرنا اور سود کا لین دین کرنا اگرچہ سود اپنے استعمال میں نہ بھی لائیں یہ بھی توحرام اور گناہ ہیں۔

مجبوری میں جو ایک تعاون علی الاثم کی صورت بنتی ہے تو اُس کے ساتھ ارتکاب اثم اور وہ بھی صریح اثم کسی طور پر بھی معقول نہیں۔

⑥ اس رقم کو ضائع نہ کریں بلکہ فقراء پر بغیر ثواب کی نیت کے تقسیم کردیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

○

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اِس مسئلے میں، مَیں نے ۱۹۷۲ء میں بیمہ کرایا تھا جس کی شرح یہ ہے کہ مَیں ہر سال ایک ہزار روپیہ دیا کروں گا، جب ۲۰ سال ہو جائیں گے تو مجھے چالیس ہزار روپیہ دیں گے، اور اگر میں ۲۰ سال سے پہلے مرگیا، تو وہ میری بیوی کو چالیس ہزار روپیہ دیں گے، اس معاہدے کے مطابق آج بروز منگل بتاریخ ۵ اپریل کو چالیس ہزار روپیہ کا چیک مجھے مل گیا ہے، میرے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

اور حال یہ ہے میرا کاروبار ایسا ہے جس سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہو رہے

میرے اُوپر معقول قرضہ بھی ہے، آیا مَیں اسے قرضے میں دے سکتا ہوں یا مکان کا رنگ روغن کروا سکتا ہوں۔

الجواب باسم ملہم الصواب حامدا ومصلیا۔

حاصل شدہ رقم میں سے اپنی جمع کرائی ہوئی مقدار یعنی بیس ہزار روپیہ اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔ باقی بیس ہزار روپیہ سود ہے جو فقراء پر ثواب کی نیت کے بغیر صدقہ کر دیا جائے۔ سود کی رقم کو اپنے کسی قسم کے استعمال میں نہیں لا سکتے اور نہ ہی اس سے اپنا قرضہ اُتار سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بقیہ: حضرت مجدّد الف ثانیؒ کا ایک نادر تذکرہ

آیت الکرسی اور سورۂ جنّ کی ابتدائی چند آیات پڑھ کر پانی دَم کرتے اور مجنون کو پلاتے۔

آنجناب فال لینے کے عادی نہ تھے۔ حضرت مجدّدؒ فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے بعد تمام نحوستیں ختم ہوگئی ہیں۔ آپ عموماً ایّام مسنون میں آغاز سفر فرماتے اور سوار ہوتے وقت مسنون دُعا پڑھتے، بعد ازاں آپ سواری کی دُعا۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ پڑھتے۔ جب آپ کسی شہر یا قریہ میں داخل ہوتے تو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْمَقَامِ وَخَيْرَ مَنْ بِهٖ پڑھتے جب آپ کسی منزل پر پڑاؤ کرتے تو نزول کی دُعا کرتے۔ سفر سے واپسی پر دو رکعت ادا فرماتے۔ سفر کے دوران آنجناب اپنے ساتھیوں کو سورۃ القریش کا ورد جاری رکھنے کی تلقین فرماتے جب ظہور رعد وصاعقہ ہوتا تو مسنون دُعا پڑھتے۔ اسی طرح طعام سے پہلے ضرور دُعا کرتے جب کبھی نیا لباس زیبِ تن فرماتے تو دُعا کرتے۔

اس مخطوطہ کا خاتمہ ورق ۱۲۴ الف[1] پر ان الفاظ میں ہوتا ہے۔ البس جدیداً وعش حمیداً ومت شہیداً۔ تمّت تمام شد۔

---

[1] اس مخطوطہ کے کل ۱۱ ورق ہیں۔ یہ رسالہ چونکہ دوسرے رسائل کے ساتھ ایک جلد میں بندھا ہوا ہے اس لیے اوراق کے نمبر مسلسل ہیں

قیامت کے دن مخبوط الحواس ہوکر اُٹھے گا، دوسری[2] سزا یہ ہے کہ سود خور کا مال (حقیقت میں) گھٹتا ہے (بڑھتا نہیں) تیسری[3] سزا یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کا اُسے اعلانِ جنگ ہے چوتھی[4] سزا یہ ہے کہ سود خوری اُسے کُفر تک پہنچا دیتی ہے۔ پانچویں[5] سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ (اگر اس کا لین دین حلال سمجھ کر کرتا ہے) یہ سزائیں سود کے انتہائی طور پر حرام ہونے کی دلیل ہیں، (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے (نیز فرمایا) اللہ سود کو مٹاتے ہیں، (نیز ارشاد ہے) تو جنگ کا اعلان سُن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، (مزید فرمایا) اور سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، (اور فرمایا) جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں میں جائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں "سود کا ایک درہم کھانا چھتّیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید ہے۔ بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے۔"[1]

نیز فرمایا: سود کے ۷۲ دروازے ہیں، ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔"[2]

سود خور کا انجام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام نے فرمایا: "معراج کی رات جب ساتویں آسمان پر پہنچ کر مَیں نے اُوپر نظر اُٹھائی تو مَیں نے چمک، کڑک، اور گرج دیکھی، پھر فرمایا کہ میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہُوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے، اُن میں سانپ اور بچھو بھرے ہُوئے تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے۔ مَیں نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ سود خور ہیں۔"[3]

"عبداللہ بن مدینی کہتے ہیں کہ میرے بچپن کا زمانہ تھا۔ اور مَیں اپنے والد رحمة اللہ علیہ کی قبر پر قرآن خوانی کے لیے حاضر ہُوا کرتا تھا، ایک دن فجر کے بعد اندھیرے ہی میں قبرستان پہنچ گیا، جہاں تک مجھے یاد آتا ہے کہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا اور وہ شب شبِ قدر تھی۔ مَیں اپنے والد مرحوم کی قبر

---

[1] مشکوٰة ص: ۲۴۵ [2] مسئلہ سود ص: ۷۰ بحوالہ معجم طبرانی اوسط [3] مشکوٰة ص: ۲۴۶ بحوالہ مسند احمد

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

قارئین محترم آپ نے گزشتہ شمارہ میں حرام کھانے کی قباحت و شناعت اور اُن سے متعلّق واقعات ملاحظہ فرمائے۔ اِس شمارہ میں حرام کھانے کی مختلف صورتیں جو آج کل رائج ہیں اُن کا تذکرہ کیا جائے گا اور ان سے متعلّق واقعات ذکر کیے جائیں گے، تاکہ وہ موعظت و عبرت کا ذریعہ بن سکیں۔

سُود خوری حرام اشیاء میں سب سے قبیح اور سب سے بدتر چیز سود خوری ہے، قرآن و حدیث میں اس کی بہت ہی زیادہ قباحت اور بُرائی ذکر کی گئی ہے۔

سُود خور کی پانچ سزائیں علّامہ جلال الدین بن شمس الدّین الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"قَدْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِآكِلِ الرِّبٰوا خَمْسًا مِّنَ الْعُقُوْبَاتِ اَحَدُهَا التَّخَبُّطُ وَالثَّانِي الْمَحْقُ، وَالثَّالِثُ الْحَرْبُ وَالرَّابِعُ الْكُفْرُ وَالْخَامِسُ الْخُلُوْدُ فِي النَّارِ وَذَالِكَ آيَةُ نِهَايَةِ حُرْمَتِهٖ لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ، يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔" [1]

اللہ تعالیٰ نے سود خور کے لیے پانچ سزاؤں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلی[1] سزا یہ ہے کہ

---

[1] الکفایہ شرح الہدایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۱۴۷

کے قریب بیٹھ کر قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوگیا، وہاں اس وقت میرے علاوہ اور کوئی دوسرا شخص نہ تھا، میں نے اچانک سُنا کہ کوئی نہایت دلدوز اور ہیبت ناک آواز میں کراہ رہا ہے، یہ آواز جس نے مجھے گھبرا دیا تھا۔ میرے قریب ہی ایک پختہ اور سفید قبر سے آرہی تھی۔ میں نے قرآن خوانی تو بند کردی اور اس آواز کی طرف کان لگادیے، میں نے محسوس کرلیا کہ یہ آواز اسی قبر میں ہونے والے عذاب کی ہے اور مُردہ اس وقت عذاب میں مُبتلا ہے اور وہی اس دردناک انداز سے آہ وزاری کر رہا ہے۔ یہ آواز ایسی تھی کہ جس سے آدمی کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں اور انسان گھبرا جائے تھوڑی دیر تک میں اس آواز کو سُنتا رہا، لیکن جب پَو پھٹنے لگی تو اُس آواز کا آنا بھی بند ہوگیا۔ اس کے بعد ایک شخص ادھر سے گزرا تو میں نے پُوچھا کہ یہ قبر کس کی ہے؟ اُس نے بتایا کہ فلاں کی، میں بھی اُس کو جانتا تھا اور بچپن میں دیکھا بھی تھا۔ اس کے اکثر اوقات مسجد میں گزرتے۔ تمام نمازیں اپنے وقت پر ادا کرتا اور وہ انتہائی خاموش اور سنجیدہ انسان تھا۔ چونکہ میں اس کی نیکیوں اور خُوبیوں سے واقف تھا، اس لیے یہ صورتِ حال میرے اُوپر بہت شاق گزری، میں نے واپس آکر اُس کے دوستوں اور واقف کاروں سے اُس کے احوال دریافت کیے تو لوگوں نے بتایا کہ یہ شخص سُودی کاروبار کیا کرتا تھا"۔[1]

رشوت خوری

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ رشوت خوری یہودیوں کا کام ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ ۵ : ۴۲ جاسُوسی کرنے والے جھوٹ بولنے کے لیے اور بڑے حرام کھانے والے ہیں (ترجمہ: حضرت شیخ الہندؒ)

آیتِ مُبارکہ میں لفظ سُحْتْ کی تفسیر اکثر مفسّرین نے رشوت سے کی ہے، یعنی یہودی بڑے رشوت خور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔[2]

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ فِی النَّارِ"[3] رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخی ہیں۔

---

[1] موت کے عبرت انگیز واقعات ص: ۳۰۷ - [2] ترمذی، ج ۱ ، ص: ۲۴۸ ، ابوداؤد ج: ۲، ص: ۱۴۸ [3] الزواجر عن اقتراف الکبائر، ج: ۲، ص: ۱۳۳ بحوالہ معجم طبرانی۔

رشوت خور کا انجام

رشوت خور کا اخروی انجام تو آپ پڑھ چکے کہ اس پر خدا اور رسول کی لعنت ہوگی اور وہ جہنم کا ایندھن بنے گا، اب ذرا دنیوی انجام بھی سُن لیجیے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"لوگ رشوت لے لے کر مال جمع کرتے ہیں، پھر دیکھیے اُس کا کیا حشر ہوتا ہے، میرے ایک عزیز پولیس میں ملازم تھے، اُنہوں نے خوب رشوتیں لے لے کر روپیہ جمع کیا تھا۔ اتفاق سے سرکار کی طرف سے کسی معاملہ میں مقدمہ قائم ہو گیا تھا، جتنا کمایا تھا، سب اس میں لگ گیا حتّٰی کہ گھر کا زیور بھی نہ رہا بالکل خالی رہ گئے، جب خدا خدا کر کے اس مقدمہ سے جان بچی اس کے بعد پھر اسی طرح روپیہ جمع کیا اور اس روپیہ کے نوٹ خریدے اور ایک پُرانے تکیہ میں سی دیے اس خیال سے کہ اسے چور کیا لیں گے، ایک روز اتفاق سے وہ تحقیقات میں گئے تھے، اُن کے مکان میں آگ لگ گئی، گھر والوں نے قیمتی اسباب اُٹھا اُٹھا کر گھر سے باہر پھینکا، اس تکیہ کا کسی نے خیال بھی نہ کیا، وہ جب تحقیقات کر کے آئے تو معلوم ہُوا کہ گھر میں آگ لگ گئی تھی، پُوچھا کہ میرا تکیہ کہاں ہے، گھر والوں نے کہا کہ جو قیمتی چیزیں تھیں وہ مشکل سے بچائی ہیں وہ پُرانا تکیہ بھی کوئی حفاظت کے قابل تھا۔ کہنے لگے میرے تو اس میں نوٹ تھے، اور نوٹوں کے نمبر محفوظ تھے نہیں اس لیے سب کمائی جاتی رہی اور اس میں سے کچھ جائداد خرید لی تھی اس میں اسی طرح کسر نکلی کہ کسی کاشتکار پر نالش کی تھی اس مقدمہ میں اُس کاشتکار نے ان حضرت کو قتل کر دیا، یہ انجام ہوتا ہے ایسے مال والوں کا"۔ [1]

دوزخ کے دہانے سے واپسی

"مجھے محکمہ سٹیلمنٹ میں ملازم ہُوئے ابھی چند یوم ہُوئے تھے، ایک دن حسبِ معمول دفتر میں کام کر رہا تھا کہ ایک بڑے میاں آئے اور نہایت خوشامدانہ لہجہ میں مجھ سے کہنے لگے بیٹا میرے مکان کا کلیم گُم ہو گیا ہے اور عدالت میں مجھے اس کی نقل پیش کرنی ہے اس لیے اپنے رکارڈ سے کاپی نکال دو تاکہ اُس کی نقل کروا کے عدالت میں پیش کر سکوں،

پچاس روپے لگیں گے، مَیں نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا، جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہیں، پچاس روپے

---

[1] حقیقت مال وجاہ ص: ۹۷

کہاں سے لاؤں ؟ اس نے مُردہ سی آواز میں جواب دیتے ہُوئے کہا، جیب خالی ہے تو میں کیا کروں ؟ مَیں نے ترشروئی سے جواب دیا اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا، کچھ دیر بعد سر اُٹھاکر دیکھا تو وہ جاچکے تھے، دوسرے روز مَیں ابھی دفتر میں داخل ہُوا ہی تھا کہ وہی بڑے میاں آئے اور پچاس روپے میری طرف بڑھاتے ہُوئے بولے کہو بابوجی اَب تو کام ہو جائے گا، قبل اس کے کہ میں اُنھیں کچھ جواب دیتا میری نظر ان کے چہرے پر پڑی، بڑے میاں کی آنکھوں سے آنسو نکل کر ڈاڑھی میں جذب ہورہے تھے اور اُنہیں صاف کرنے کی کوشش میں مصروف تھے، مَیں نے رونے کی وجہ پوچھی پہلے تو وہ پس و پیش کرتے رہے، میرے اصرار پر اُنھوں نے بتایا کہ کل یہاں سے جاکر اپنی جواں سال بیٹی کے بُندے جو مَیں نے چند آنے روزانہ کی بچت کرکے اس کی شادی کے لیے بنوائے تھے فروخت کر دیے تاکہ آپ کا خرچ پُورا کرسکوں۔ اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ مَیں نے اُٹھ کر فائل سے اس کی کاپی نکال کردی اور جبراً وہ روپے ان کی جیب میں ٹھونس دیے، اُن کے جاتے ہی مَیں نے عہد کیا کہ آئندہ کبھی رشوت نہ لوں گا۔ مجھے محسوس ہورہا تھا کہ جیسے بڑے میاں کے ضعیف و ناتواں بازوؤں نے مجھے دوزخ کے دہانے سے کھینچ لیا ہے، کیونکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاھُمَا فِی النَّارِ۔ (رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخی ہیں")[1]

ملاوٹ کا انجام

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے "مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا"[2] جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

"عبدالحمید بن محمود مغربیؒ کا بیان ہے کہ مَیں حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا، اسی دوران کچھ لوگ آئے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ ہم لوگ حج کے لیے چلے گئے تھے، ہمارا ایک ساتھی تھا ہم مقام ذوالصّفاح تک پہنچے تھے کہ ہمارے ساتھی کا انتقال ہوگیا، ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کرکے قبر کھودنی شروع کی، قبر کھودی گئی تو ناگاہ لحد میں ایک کالا سانپ نظر آیا جو اتنا بڑا تھا کہ اُس سے پُوری لحد بھر گئی، ہم نے اس قبر کو چھوڑ کر دوسری قبر کھودی، وہاں بھی یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ لحد تیّار ہونے پر ایک

---

[1] اسلام اور رشوت، ص: ۱۰۳، مرسلہ حافظ عتیق جالندھری، سکھر، ماخوذ از البلاغ [2] ترمذی، ج: ۱، ص: ۲۴۵۔

کالے ناگ نے قبضہ جما لیا، ہم نے اس قبر کو چھوڑ دیا، اور اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ سانپ اس مُردے کا عمل ہے جو وہ کیا کرتا تھا، خدا کی قسم اگر تم تمام رُوئے زمین کو کھود ڈالو گے ہر جگہ اس کو پاؤ گے اس لیے کسی ایک قبر میں اس کو دفن کر دو، چنانچہ ہم نے اُس کو ایک قبر میں دفن کر دیا۔ سفر سے واپسی پر اُس کی بیوی سے اس کے عمل کے بارے میں پُوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ غلّہ کی تجارت کیا کرتا تھا، ہر روز مالِ تجارت میں سے اپنے گھر کے خرچ کے لیے جتنا غلّہ نکالتا تھا اتنا ہی گھاس پھونس اور تنکے اس غلّہ میں ملا کر فروخت کر دیتا تھا۔ یہی عمل عذابِ قبر کا سبب ہُوا۔"[1]

ناپ تول میں کمی کا انجام

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۙ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ (۸۳ : ۱-۲-۳) خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں لوگوں سے تو پُورا بھر لیں اور جب ماپ کر دیں اُن کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں، (ترجمہ: حضرت شیخ الہندؒ)

علّامہ ابن حجر ہیتمی مکّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ایک صاحب کا کہنا ہے کہ میں ایک بیمار شخص کے پاس گیا جو مرنے کے قریب تھا، مَیں اُسے کلمہ شہادت کی تلقین کرنے لگا، لیکن اس کی زبان سے کلمۂ شہادت نہیں نکلتا تھا۔ اُسے کچھ افاقہ ہُوا تو مَیں نے اس سے کہا بھائی کیا بات ہے مَیں تمہیں کلمۂ شہادت کی تلقین کر رہا تھا لیکن تمہاری زبان سے وہ نکلتا نہیں تھا، کہنے لگا۔ يَا أَخِيْ لِسَانُ الْمِيْزَانِ عَلٰى لِسَانِيْ يَمْنَعُنِيْ مِنَ النُّطْقِ بِهَا، بھائی ترازو کی ڈنڈی (جسے پکڑ کر تولتے ہیں) میری زبان پر ہے اور کلمۂ شہادت پڑھنے سے روک رہی ہے، مَیں نے پُوچھا کہ کیا تم کم تولتے تھے؟ بخدا یہ بات نہیں ہے، بات یہ ہے کہ ایک زمانے تک میں ترازو کے پلڑوں کو دُرست کیے بغیر تولتا رہا۔ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں غور کیجیے کہ ترازو کے پلڑے درست نہ کرنے والے کا یہ حال ہُوا تو جو ناپ تول میں کمی کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا؟"[2]

---

[1] موت کا جھٹکا، ص: ۲۱۸ [2] الزواجر عن اقتراف الکبائر، ج: ۱، ص: ۳۱۰ -

کسی کی چیز غصب کرلینا یا عاریۃً لے کر واپس نہ کرنا

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں۔ "اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ" [1] خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا، خبردار کسی بھی دوسرے شخص کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر لینا حلال نہیں

نیز فرمایا: "لَا یَاْخُذُ اَحَدُکُمْ عَصَا اَخِیْہِ لَاعِبًا جَادًّا فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِیْہِ فَلْیَرُدَّھَا اِلَیْہِ" [2] تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کی لاٹھی ہنسی مذاق میں اس مقصد سے نہ لے کہ وہ اُسے رکھ لے گا، جو شخص اپنے کسی بھائی سے لاٹھی لے تو اسے واپس کر دینا چاہیے۔

حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: اَلْعَارِیَۃُ مُؤَدَّاۃٌ وَّالزَّعِیْمُ غَارِمٌ وَّالدَّیْنُ مَقْضِیٌّ [3] عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کی جائے، ضامن ضمانت پوری کرنے میں مجبور ہے اور قرض کو ادا کیا جائے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"وَمَنِ انْتَھَبَ نُھْبَۃً فَلَیْسَ مِنَّا" [4]

جو شخص کسی کا مال لُوٹتا ہے (ناجائز طریقے سے لیتا ہے) وہ ہم میں سے نہیں

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّہٗ یُطَوَّقُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ" [5]

جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی ازراہِ ظلم لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں سے اتنی ہی زمین اس کے گلے میں بطورِ طوق ڈالی جائے گی۔

کسی کی چیز لے کر واپس نہ کرنے کا انجام

"حضرت ابراہیم تیمیؒ نے موسیٰ بن مہران کو اُن کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور اُن سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے متعلق سوال کیا، اُنہوں نے جواب دیا جب سے مرا ہوں اُمراء کی ضیافتوں کا حساب دے

---

[1] مشکوٰۃ، ص ۲۵۵، [2] مشکوٰۃ ص ۲۵۵ [3] ترمذی، ج:۱، ص ۲۳۹ [4] ترمذی، ج:۱ ص ۲۱۳ [5] مشکوٰۃ ص ۲۵۴، بحوالہ بخاری مسلم

رہا ہوں اور ایک سُوئی کے بدلے قید ہوں، جسکو مَیں نے مستعار لیا تھا۔ وہ واپس نہیں کی تھی۔[1]

کسی کی چیز بغیر اجازت استعمال کرنے کا انجام

حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"وفات کے بعد خواجہ ابوبکر شبلی رح کو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور پُوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا فرمایا ویسا ہی کیا جیسا کہ اپنے دوستوں سے کرتا ہے، لیکن ایک سخت عتاب ہُوا کہ اب تک میں اس عتاب میں غرق ہُوں اور وہ اس طرح تھا کہ ایک روز میں کسی شخص کے گھر گیا تھا، گندم کا ڈھیر میرے پاس پڑا تھا۔ میں نے اس شخص کی اجازت کے بغیر ایک دانہ گندم کا اٹھا لیا اور دانتوں سے دو پارہ (ٹکڑے) کر دیا، مگر کھایا نہیں، حکم ہُوا کہ اے شبلی تو لوگوں کی گندم دو پارہ کرتا ہے اور معافی نہیں مانگتا ہے، پس میں اس معاملے میں حیران ہوں کہ کل قیامت کو کیا جواب دوں گا۔"[2]

قرضہ لے کر واپس نہ کرنا

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں سوائے قرضہ کے (کہ وہ معاف نہیں ہوتا)۔[3]

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) مجھے بتائیے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں اس حال میں کہ صبر کرنے والا اور ثواب کی نیت رکھنے والا ہوں اور اس طرح جہاد کروں کہ میدان جنگ میں دُشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤں بلکہ اُن کے سامنے سینہ سپر رہوں (یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا جاؤں) تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرما دیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں پھر وہ شخص (اپنے سوال کا جواب پاکر) واپس ہوا تو آپ نے اسے آواز دی اور فرمایا کہ ہاں (اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ یقیناً معاف فرما دیں گے) مگر قرض کو معاف نہیں کریں گے، مجھ سے جبرئیل نے یہی کہا ہے۔"[4]

تین پیسے کے عوض سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"قیامت کے روز (حق دار) ایک دانگ (تین پیسے) کے عوض میں سات سو مقبول نمازیں

---

[1] مخزن اخلاق ص۲۱۲ [2] افضل الفوائد ص۲۱ [3] مشکوٰۃ ص۲۵۲ بحوالہ مسلم [4] مشکوٰۃ ص۲۵۲ بحوالہ مسلم

لی جائیں گی"۔ سات سو نمازیں تقریباً تین مہینے بیس دن کی بنتی ہیں۔

خیانت کا انجام

"حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا غزوۂ خیبر کے موقعہ پر صحابۂ کرام کی ایک جماعت آئی اور کہنے لگی فلاں شہید ہُوا فلاں شہید ہُوا۔ حتّٰی کہ وہ ایک شخص (کے جنازہ) کی طرف گزرے اور بولے فلاں شہید ہُوا، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہرگز نہیں، مَیں نے اُس کو آگ میں دیکھا ہے۔ ایک چادر کی خیانت کرنے کی وجہ سے یا فرمایا ایک عَبَا کی خیانت کرنے کی وجہ سے"۔ الحدیث [۲]

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامان پر ایک شخص مقرّر تھا جس کو کِرکِرَہ کہا جاتا تھا، کِرکِرَہ مرگیا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا وہ دوزخ میں ہے لوگ اس کا مکان دیکھنے گئے تو اُس میں ایک عَبَا ملی جس کی اس نے خیانت کی تھی"۔ [۳]

قارئین کرام حرام کھانے کی یہ چند موٹی موٹی صُورتیں ہم نے ذکر کی ہیں جن کا آج کل کے مہذب معاشرہ میں رواج ہے اور اُن کی بُرائی ذہنوں سے نکلتی جارہی ہے، باقی ان کے علاوہ اور بیسیوں شکلیں حرام کھانے کی موجودہ معاشرہ میں پائی جاتی ہیں۔ طوالت کے خوف سے اُن کا ذکر ترک کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں حلال کمانے کھانے اور حرام کی ہر شکل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

○

ماہنامہ انوار مدینہ لاہور

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اجر اور رسالے کے اِستحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے۔
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے۔
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔

حقیقت مال وجان ص۱۳۲ ، ۲ے مسلم ج:۱، ص۷۴ ، ۳ے بخاری، ج:۱، ص۴۳۲